اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

جولائی ۲۰۲۳ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرمیوں کی چھٹیوں میں 'قرآنی عربی' اور 'اسلام اور عصری مسائل' کے

سہ ماہی شارٹ کورسز

کلاسز جاری ہیں 12 جون تا 2 ستمبر 2023ء

کورس نمبر 1
پیر، منگل، بدھ 6:00 تا 7:00 بعد عصر
تدریس: حافظ محمد عمران طحاوی (پی ایچ ڈی سکالر)
قرآنی عربی

کورس نمبر 2
Monday پیر 7:30 تا 8:30 بعد مغرب
اسلام اور عصری مسائل۔ تدریس: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
اسلام اور مغربی فکر و تہذیب

کورس نمبر 3
Tuesday منگل 7:30 تا 8:30 بعد مغرب
اسلام اور عصری مسائل۔ تدریس: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
اسلام اور ہمارے سیاسی مسائل

کورس نمبر 4
Wednesday بدھ 7:30 تا 8:30 بعد مغرب
اسلام اور عصری مسائل۔ تدریس: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
اسلام اور ہمارے تعلیمی مسائل

For Registration Scan QR
or visit http://bit.1y/3p0I8L1

فزیکل و آن لائن
بلامعاوضہ

برائے رجسٹریشن
0336-1913636
0300-4107282

کامیاب شرکاء کو سرٹیفکیٹ
دیئے جائیں گے۔

جامعہ رحمانیہ 65 ٹیپو بلاک
نزد برکت مارکیٹ نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

نمبر شمار	کتاب	صفحات	نمبر شمار	کتاب	صفحات
عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)			۲۱	حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً)	۶۲
۱	ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	۴۵۰	۲۲	اپنی اصلاح آپ کیسے؟	۵۶
۲	اسلامی سکول کے خدوخال	۸۰	۲۳	ترکِ رذائل (احمد جاوید)	۲۹۲
۳	تعلیم اور اس کا اسلامی کردار	۱۶۷	۲۴	اسلام اور تعمیر سیرت (زیرِ طبع)	
۴	یکساں قومی نصاب۔خدشات و مضمرات	۲۰۸	اسلام اور مغربی فکر و تہذیب		
۵	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے معلمین	۱۶۰	۲۵	اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش	۱۷۶
۶	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے طلبہ و طالبات	۴۸	۲۶	اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ	۱۷۶
۷	پنج سورہ مع پارہ عم (اُردو تفہیم)	۷۶	۲۷	اسلام اور ردِ مغرب	۲۱۶
۸	ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت	۱۲۰	تفہیم دین		
۹	اسلامی علوم میں تحقیق	۲۷۲	۲۸	مسلم نشاۃ ثانیہ۔اساس اور لائحہ عمل	۴۰۰
طلبہ کی اسلامی تربیت			۲۹	شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت	۴۸
۱۰	تعلیمی ادارے اور کردار سازی	۱۷۲	۳۰	رزم حق و باطل	۸۰
۱۱	تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت۔ہینڈ بک و گائیڈ	۱۶۰	۳۱	اسلام اور پاکستان	۳۰۰
اصلاحِ دینی مدارس			۳۲	عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون	۲۵۰
۱۲	ہمارا دینی نظام تعلیم	۲۵۰	۳۳	مقالاتِ امین (جلد اوّل)	۶۷۶
۱۳	نصابِ مدنیؒ	۴۰	۳۴	مقالاتِ امین (جلد دوم)	۶۴۲
۱۴	مدرسہ ڈسکورسز۔مطالعہ و تجزیہ	۱۵۶	اللغة العربية		
۱۵	اصلاحِ دینی مدارس	۳۵۲	۳۵ ب	السلطة التشريعية_ دراسة مقارنة	۱۵۰
اسلامی تحریکیں			English Books		
۱۶	پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟	۲۴۰	۳۶	Islamization of Laws in Pakistan	250
۱۷	خاموش انقلاب ناگزیر ہے	۲۸۸	۳۷	Riyaz us Saliheen I & II	950
۱۸	عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور	۸۴	۳۸	Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10	500
۱۹	نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت	۷۲			
تزکیۂ نفس					
۲۰	اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ)	۹۰۳			

مکتبہ البرہان

136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

ای میل ermpak@hotmail.com

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین صاحب کی نئی تالیف

امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز اور ان کا حل

[پاکستانی تناظر میں]

عصر حاضر میں مسلم امہ کو جو چیلنجز درپیش ہیں، ان میں سے سب سے بڑے دو ہیں: ایک: زوال امت اور دوسرا مغربی فکر و تہذیب کا غلبہ۔ ان چیلنجز سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مسلم اہلِ علم اور دینی قائدین نے اب تک جو حل پیش کیے وہ جزوی اور غیر مؤثر ثابت ہوئے ہیں لہٰذا نئی اپروچ کی ضرورت ہے جس کی وضاحت اس کتابچے میں کی گئی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

صفحات: ۴۸ قیمت: ۸۰ روپے

مکتبہ البرہان

فون: 0309-4607124، ای میل ermpak@hotmail.com

ماہنامہ

البرہان

لاہور

جلد ۲۷، شمارہ ۷، جولائی ۲۰۲۳ء / ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ

مشمولات

O تعلیم و تربیت
- مفتی تقی عثمانی صاحب نے تفہیم مغرب کا کورس منظور کرلیا — سید خالد جامعی — ۵
- واہ کینٹ کے ماڈل تعلیمی ادارے (آخری قسط) — محمد سلیم اختر — ۹
- ایک منفرد نصابی ورکشاپ — مدیر — ۱۳
- مساجد و دینی مدارس کے اساتذہ کی کم تنخواہیں — ڈاکٹر طفیل ہاشمی — ۱۴
- خاموش ٹیچر — محمد عمیر — ۱۶

O تفہیم دین
- مولانا مودودیؒ - ایک عبقری شخصیت — مدیر — ۱۸
- کیا 'اجتماعی قربانی' جائز ہے؟ — مولانا احتشام صدیقی — ۲۱
- جدید قومی ریاست میں علماء کرام کا نہ وقارنہ حیثیت — سید خالد جامعی — ۲۳
- تبلیغی جماعت اور مغرب — سید خالد جامعی — ۳۲

O اسلام اور پاکستان
- محترم سراج الحق صاحب کے نام خط — مدیر — ۳۴
- ۹ مئی کے بعد کا بحران اور اس کا حل — ڈاکٹر محمد امین — ۳۵
- غلامی سے نکلنے کا راستہ — منصور علی خان — ۳۸
- پاکستان میں اسلامی نظام کی ناکامی کا بڑا سبب — غلام نبی کشافی — ۳۹

O فقہ و قانون
ٹرانس جینڈرز ایکٹ پر وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ — ڈاکٹر محمد مشتاق احمد — ۴۱

O تزکیۂ نفس
اللہ سے تجارت کیجیے — ادارہ — ۴۴

O عالم اسلام
افغان زرعی مسئلے پر توجہ دیں — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۴۸

O البرہان کی ڈاک / مکالمہ
البرہان کے نام — مدیر — ۵۰
موضوع: اسلام کے اجتماعی اداروں کی تشکیل و تدوینِ نو

مدیر
ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر
ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری
حافظ عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر
محمد یحییٰ رشید، ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن
(0309-4607124)
[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِ اعانت: فی شمارہ 85 روپے
سالانہ 1000 روپے۔ پانچ سال: 5000 روپے
تاحیات 40,000 روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ
سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور
PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ
136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

برائے آن لائن مطالعہ
www.alburhaan.pk

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف
0306-4640366

O تبصرۂ کتب
'سرسید احمد خاں-تاریخ کی میزان میں' ادارہ ۵۴
از شاہنواز فاروقی

English Section
- Book Review: 'Medieval Economy' By Muhammad Munir Ahmad *Dr. Javead Akber Ansari* ۶۲
- Important Recommendations for Islamization of Pakistan *Salim Tariq Lone* ۶۶

بقیہ: مفتی تقی عثمانی صاحب نے تفہیم مغرب کا کورس منظور کرلیا

Chalres Larmore, *Morals of Modernity*
Alasdair Macintyre, *After Virtue*
The Human Condition By Hannah Aren't
The Natural Alien By Neil Avernden

Secondary Sources

Rethinking Modernity by G. Bhambra
History of Idea of Progress by Robert
Nisbet Concept of corporation by Peter
Drucker Sociology of Modernity by Peter Wagner
Great transformation by Karl Polanyi
Rise and Decline of State by Martin Van Creveld
Post Industrial Society by Alain Tourraine
Technological Society by Jacques Ellul
Morals of Modernity by Charles
Larmore Technological Society by Jacques Ellul
Critique of Instrumental Reason from Weber to Habermas by Darrow Schecter
Modernity and Self Identity, Anthony Giddens

تعلیم و تربیت

سید خالد جامعی/فصیح احمد

مفتی تقی عثمانی صاحب نے تفہیم مغرب کا کورس منظور کر لیا

ہمارا تیار کردہ تفہیم مغرب کا مندرجہ ذیل کورس مفتی صاحب نے دارالعلوم کراچی کے لیے منظور کر لیا ہے جیسا کہ ان کے خط سے ظاہر ہے۔

گرامی قدر مکرم جناب خالد جامعی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جو کورس مرتب فرمایا ہے، اسے دیکھ کر تو دل چاہا کہ میں خود اس کورس سے گزروں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ہفتہ وار یا ماہانہ مجلس دارالعلوم میں اس کورس کے سلسلے میں منعقد ہو اور ان موضوعات کے کوئی ماہر اس پر پہلے اساتذہ کو یہ کورس کرائیں؟

....
....

جوابات میں تاخیر پر معذرت خواہ ہوں، مصروفیات اور ڈاک کی کثرت اس کا سبب بنی۔

والسلام،

بندہ محمد تقی عثمانی

Making Sense of Modernity

Course Description

Muslims today live in a world “not of their own making.” This acute observation should force us as Muslims to take a step back and observe what has gone into the making of our modern world. The main question that should be asked, then, is how did we get to where we are? This course attempts to answer that question by critically engaging students with the

historical and philosophical dimensions of Islam's relationship to Modernity. Through the course one will develop ZZA Foundation for thinking about Islam in Modernity by working through the complicated notion of "Tradition" and briefly covering the history of Modernity and its impact on Muslims. Based on this Foundation, students will spend the rest of the course exploring specific issues that should challenge our very assumptions about Islam and Modernity and force us to reexamine how we think and live as Muslims in the modern world. The structure of each of these latter sessions will broadly follow the following three sets of inquiry: 1) A historical and philosophical examination of some aspect of Western Modernity; 2) Putting it into conversation with the pre-modern tradition of Islam; and 3) Discussing the tensions and overlaps between the two in an attempt to negotiate our situation as Muslims living in the modern West. The sessions will be lecture-based, but the last third of each session will be devoted to audience discussion. By the end of the course, listeners should be able to think critically about the claims of Western Modernity and take a historically and philosophically informed approach in the modern world to the difficult questions facing by Muslims.

The central aim of the course is to help you master, understand and critically analyze some of the most fundamental approaches to understanding society and politics (and the interplay between them) that emerged from the seventeenth through the early twentieth centuries and that continue to shape scholarship and debates in social and political theory, comparative politics, sociology, political economy, and cultural inquiry—as well everyday moral and political controversies in Muslim world today. This will

involve careful, systematic, and critical examination of works by a series of major thinkers—Hobbes, Kant, Descarte Adam Smith, Montesquieu, Locke, Hegel, Marx, and Weber—and of larger currents of thought such as liberalism, conservatism, and the republican virtue tradition. In the process, we will explore contrasting approaches to issues including capitalism, socialism, bureaucracy, citizenship, sovereignty, domination, authority, freedom, community, individualism, democracy, revolution, the logic of history, the ethical dilemmas of political action—and the nature and dynamics of "Modern Society" itself. A brief consideration of Aristotle will highlight some classical sources, points of reference, and polemical targets for the "modern" conversation

Theme: Conceptualizing Modernity

a) Intellectual background core themes
b) Modernity, modernization and modernism
c) Metaphysics of Modernity: conception of man nature and society.

Theme: Origins of Modernity

a) Theological origins of modernity
b) Colonial origins of modernity
c) Secular Origins of Modernity

Theme: Epistemological Foundations of Modernity

a) Transcendent foundations (Immanuel Kant)
b) Immanent foundations (Hegel)
c) Rational Dualism (Descartes)
d) Empricism (Locke, Berkely)

Theme: Sociological Foundations of Modernity:

a) Historical Materialism (Karl Marx, Engels)
b) Positivism (Aguste Comte)
c) Functionalism (Emile Durkheim)

Theme: Political Foundations of Modernity:

a) Social contract and Impersonal Political sovereignty (Thomas Hobbes)

b) Social Contract, Property and Capital accumulation (John Locke)

c) Social Contract, General will and Concept of Nation (Rosseau)

Theme: Ethical Foundations of Modernity

a) Deontologism (Kant, Rawls)

b) Utilitarianism (Jeremy Bentham, Mill)

Theme: Modernity as Actualization

a) State

b) Market

c) Science

Theme: Ideologies of Modernity

a) Secularism

b) Liberalism

c) Socialism/Communism

d) Fascism

e) Multiculturalism

f) Feminism

g) Nationalism

Theme: Modernity and its institutional arrangement

a) Corporatism

b) Industrialism

c) Urbanism

Reading List

Primary Sources

Critique of Modernity, Alaine
Tourraine

(بقیہ صفحہ نمبر:۴)

تعلیم و تربیت

محمد سلیم اختر[۱]

واہ کینٹ کے ماڈل تعلیمی ادارے (آخری قسط)

تعلیم الذِکری (Zikra Educational Systim)

قرآن مجید کا ایک نام ''ذِکریٰ'' ہے جو خود قرآن مجید میں کئی مرتبہ آیا ہے۔ اور اس کے معنیٰ نصیحت اور خیر خواہی کے ہیں۔ امت کی حقیقی خیر خواہی قرآن مجید کی صحیح و حقیقی تعلیم میں ہے۔

تعارف و ضرورت

ہر مسلمان والد/ والدہ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بچے قرآن مجید اچھے طریقہ سے پڑھیں لیکن عملاً معاشرے میں اس خواہش کے باوجود قرآن مجید اچھا پڑھنے والے، جاننے والے دس بیس فیصد سے زیادہ نہ ہوں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قرآن مجید ناظرہ اور ترجمہ کی کلاسز محلہ کی بنیاد پر کسی مسجد میں یا گھر میں شروع کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ ذکریٰ ایجوکیشن کے تحت واہ کینٹ کے اندر اور گرد و نواح میں مختلف محلّوں میں یہ کلاسز شروع کی گئی ہیں۔

مقاصد

۱۔ ناظرہ (تجوید و قرأت) کے ساتھ ایک متعین عرصے میں نصاب اور کلاسز کی شکل میں پڑھانا۔

۲۔ قرآن مجید کے فہم کا شوق بیدار کرنا۔

۳۔ قال اللہ تعالیٰ اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے بچوں میں قرآن وسنت سے دلیل اختیار کرنے کی مشق کروانا

۴۔ بچوں میں قرآن مجید اور دین سے محبت پیدا کرنا۔

۵۔ اخروی کامیابی کا شعور بیدار کرنا

---

[۱] مدیر الجامعۃ الاسلامیہ، پائینیر اسلامک پبلک سکولز، ذکری ایجوکیشن سسٹم و مدارس ماڈل سکولز، واہ کینٹ

۶۔ اساتذہ کا وقار حقیقی معنوں میں بحال رکھنا اور اس کے لیے اساتذہ کی تربیت کرنا۔

۷۔ اساتذہ اور والدین کے درمیان مثبت رابطہ کے لیے کردار ادا کرنا۔

نئی کلاسز شروع کرنے کا طریقہ کار

مسجد/گھر کا کوئی ذمہ دار فرد ہماری پالیسی، نصاب اور مقاصد وغیرہ سے متفق اور مطمئن ہو اور ایک گھنٹہ دورانیہ کی کم از کم ایک کلاس کے لیے جگہ اور سہولیات فراہم کرنے کے لیے تیار ہو تو نئی کلاس شروع کی جاتی ہے۔

استاد کا تعین

استاد کا تعین ادارہ کرتا ہے اور استاد کے لیے ذکرٰی ایجوکیشن کی تمام پالیسیوں سے متفق و مطمئن ہونا ضروری ہے۔

داخلہ طلباء

داخلہ کے وقت فارم میں طالب علم کے کوائف اور اس کی علمی صلاحیت کا اندازہ لگانے کے لیے دے گئے تمام خانے پُر کیے جاتے ہیں۔ طالب علم کے علم اور صلاحیت کا اندازہ رکھتے ہوئے اس کی کلاس کا تعین کر دیا جاتا ہے۔ طالب علم اور اس کے والدین کا ادارے کے نصاب سے متفق ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید تمام مسلمانوں کے لیے ہے لہٰذا ان کلاسز میں مسلمانوں کے تمام گروہوں کے بچے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، ان کے آداب کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

روزانہ کلاسز کا طریقہ کار

روزانہ کلاسز میں تین پیریڈز شامل ہوتے ہیں:

۱۔ ناظرہ قرآن ۲۔ القرآن والحدیث کی تعلیم بذریعہ مخصوص کتاب ۳۔ تلاوت قرآن کی مشق۔ تینوں پیریڈز کا وقت متوازن ہوتا ہے۔ گروپ بندی، بلیک بورڈز/ چارٹس کا استعمال ضروری ہے۔ عام عصری مضامین پڑھانے کے لیے جو تدابیر استعمال ہوتی ہیں، انہیں استعمال

کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے۔تمام کام صرف کلاس کے دوران کروایا جاتا ہے،کلاس کے بعد دہرائی وغیرہ کسی قسم کا ہوم ورک نہیں دیا جاتا۔روزانہ کی کلاسز لیتے ہوئے اساتذہ ماہانہ اور ششماہی امتحانات پالیسی کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔

اساتذہ کی ماہانہ میٹنگ

تمام اساتذہ کے لیے ہر ماہ کے پہلے ہفتہ کے دوران میٹنگ میں شرکت لازمی ہے۔اس میٹنگ میں والدین یا برانچ کے ذمہ دار اگر چاہیں تو شرکت کر سکتے ہیں۔ہر استاد اپنی اپنی کلاس کی مجموعی کارکردگی زبانی پیش کرتا ہے اور کسی بچہ کے بارے میں یا کوئی بھی پیش آنے والا مسئلہ زیر بحث لاسکتا ہے۔اس میٹنگ میں ہر استاد اپنی ہر کلاس کی جائزۃ الحضور (حاضری فارم) بھی جمع کرواتا ہے۔اس میٹنگ میں حسبِ ضرورت علاقے کی کسی مشہور شخصیت کی شمولیت یا اساتذہ کی تربیت کے لیے کوئی پروگرام بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔نئی کلاس کے اجراء وغیرہ پر مشورہ بھی ہوسکتا ہے۔

ماہانہ امتحانات

یہ امتحان 30 نمبر کا ہوتا ہے۔اور ہر طالب علم کے لیے ماہانہ امتحانات دینا ضروری ہے۔ماہانہ امتحان کے لیے مخصوص فارم ترتیب دیا گیا ہے،جس میں ماہانہ کارکردگی اور دیگر مطلوب عنوانات کے نمبر درج ہیں۔استاد،بچوں اور والدین کے لیے لازم ہے کہ اس امتحان کے نتیجہ کو زیر بحث لائیں اور بہتری کی تجاویز پر عمل کریں۔استاد اس نتیجہ کو کلاس میں نمایاں جگہ پر تین دن کے لیے آویزاں کرتا ہے۔

فائنل امتحان

ایک کلاس/ درجہ کی مدت چھ ماہ مقرر کی گئی ہے۔ہر چھ ماہ کا نصاب چونکہ متعین ہے اس لیے اس کے اختتام پر بچوں کا فائنل امتحان لیا جاتا ہے۔اور پاس ہونے کی صورت میں بچوں کو اگلی کلاس میں ترقی دی جاتی ہے۔بصورت دیگر اسے وہ کلاس دہرانے کا کہا جاتا ہے۔استاد کل نصاب کو چھ حصوں میں تقسیم کر کے ہر ماہ اپنا نصاب لازمی طور پر پورا کروانے کی کوشش کرتا

ہے۔بھرپورکوشش کی جاتی ہے کہ بچہ چھ ماہ بعد امتحان پاس کر کے اپنی اگلی کلاس میں ترقی پا جائے۔

ذِکری ترجمۂ قرآن کلاس

ناظرہ قرآن مکمل کر لینے کے بعد بچوں کے لیے مکمل قرآن مجید کے ترجمہ کا آٹھ سمسٹر کا نصاب شروع کر دیا جاتا ہے۔جس میں توقیفی ترتیب کی بجائے منتخب سورتوں سے آغاز کر کے مکمل قرآن کا ترجمہ سکھایا جاتا ہے اور ساتھ القرآن والحدیث والفقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

ارتقاء

نومبر ۲۰۱۱ء سے خیبر ٹاؤن میں پہلی ذکرٰی ایجوکیشن کلاس کا آغاز کیا گیا۔پھر ضرورت اور وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی کلاسز کی تعداد بڑھتی گئی۔اس وقت 24 کلاسز واہ کینٹ اور گردونواح میں جاری ہیں۔

خواتین اساتذہ: خواتین اساتذہ کے لیے پالیسی یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں اہل محلہ کے لیے کلاس شروع کر سکتی ہیں، کچھ کلاسز خواتین اپنے گھر ہی میں چلا رہی ہیں۔میٹنگ میں شمولیت کے لیے انہیں الجامعۃ الاسلامیہ میں آنا ہوتا ہے جو شرعی قواعد کے مطابق ہی منعقد کی جاتی ہے۔کوشش کی جاتی ہے کہ ان مراکز میں امتحان کے لیے کسی خاتون کو بھیجا جائے۔

اس طرح تعلیم الذکرٰی کے تحت بچے جو کسی بھی سکول میں پڑھتے ہوں، شام کے اوقات میں ایسی تعلیم حاصل کر لیتے ہیں جو ان کے لیے ایک بنیاد فراہم کر دیتی ہے کہ وہ ایک اچھا مسلمان بن کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔

مدارس ماڈل سکولز

معاشرے میں پہلے سے کام کرنے والے مدارس کے ساتھ مل کر انہی بچوں کو مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سکول کی تعلیم فراہم کرنے کے لیے یہ سکولز بنائے گئے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر:۱۷)

تعلیم و تربیت مدیر

ایک منفرد نصابی ورکشاپ

تبلیغی جماعت کے بھائی نئی اسلامی نصابی کتب تیار کر رہے ہیں
جماعت اسلامی کے ماہرین تعلیم کی ان کی فنی معاونت

ہم قارئین البرہان کو یہ خوش خبری پہلے سنا چکے ہیں (دیکھیے البرہان نومبر ۲۰۲۰ء) کہ وہ زمانہ لد گیا جب تبلیغی جماعت پر لوگ پھبتی کستے تھے کہ یہ صرف لوگوں کے کلمے سیدھے کراتی ہے بلکہ اب انہوں نے اجتماعی زندگی کے مسائل سے بھی اعتناء شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ پہلے ان کے ایک گروپ نے معاشی، معاشرتی اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں دینی زندگی کے احیاء کے لیے لٹریچر تیار کیا اور اس کے بعد اب انہوں نے سکول کے بچوں کے لیے نئی اسلامی نصاب کتب تیار کرنا شروع کر دی ہیں۔

میرا چونکہ ان سے رابطہ ہے لہٰذا جب انہوں نے اپنی ابتدائی تیار کردہ کتب کے سیمپل مجھے بھیجے تو مجھے فوراً ادراک ہوا کہ ان کے ہاں اسلامیت کا جوش تو موجود ہے لیکن وہ پیشہ ورانہ اسلوب اور فنی پہلوؤں (Technicalities) کے لحاظ سے بہت کمزور ہیں۔ میں نے ان کو توجہ دلائی تو انہوں نے اسے تسلیم کیا اور اصلاح پر آمادہ ہو گئے۔ پنجاب یونیورسٹی کے ادارۂ تعلیم و تحقیق (IER) کے بعض ایسے ریٹائرڈ اساتذہ سے میرا رابطہ ہے جن کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے۔ میں نے ان سے بات کی تو وہ بھی فوراً معاونت پر آمادہ ہو گئے چنانچہ ۱۸ جون ۲۰۲۳ء کو پنجاب یونیورسٹی ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور میں اپنے بیٹے کے گھر میں راقم نے ایک نصابی ورکشاپ رکھی جس میں دونوں گروپوں کو جمع کیا۔ نصابی کتب کے حوالے سے جو کام ہو چکا ہے اس کا جائزہ لیا گیا اور فنی لحاظ سے اس کی اصلاح، بہتری اور اسے اپ ٹو ڈیٹ کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔ راقم اس کام کو جاری رکھنا چاہتا ہے۔ احباب سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

تعلیم وتربیت ڈاکٹر طفیل ہاشمی

دینی مدارس اور مساجد کے ملازمین کی کم تنخواہوں کا مسئلہ

بجٹ میں ملازمین کی تنخواہوں میں اضافے کے اعلان کے ساتھ ہی سوشل میڈیا پر ائمہ، موذنین، دینی مدارس کے اساتذہ کی کم تنخواہوں کے تذکرے اور ان کی کس مپرسی کا واویلا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

اگر ان طبقات کو جن کے رزق میں تنگی ہے کبھی فرصت میسر ہو تو اپنے ساتھ بیٹھ کر اس مسئلے کے اسباب اور اس کے حل پر غور کریں، مجھے یقین ہے کہ وہ تھوڑی سی کوشش سے اس مخمصے سے نکل آئیں گے۔غور کرنے کے لیے چند بنیادی نکات پیش خدمت ہیں:

کسی گھر میں چار مہمان آنے ہوں تو خاتون خانہ لازماً پانچ چھ لوگوں کا کھانا تیار کرتی ہے تا کہ عین وقت پر کوئی شے کم نہ ہو جائے۔کیا اللہ تعالیٰ دھڑا دھڑ انسانوں کو دنیا میں بھیج رہا ہے اور اتنا بھی اہتمام نہیں کرتا جتنا ایک خاتون خانہ کرتی ہے۔سائنسی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اگر دنیا کی آبادی موجودہ آبادی سے کئی گنا بڑھ جائے تو بھی وسائل رزق ناکافی نہیں ہوں گے۔

اس دنیا کا نظام اسباب ومسببات (Cause & Effect) پر چلتا ہے.جو نتائج آپ چاہتے ہیں اس کے مطابق اسباب اختیار کرنا پڑتے ہیں۔شادی کئے بغیر ساری زندگی کے وظائف اور دعائیں اولاد نہیں دے سکتیں۔اگر آپ کو زیادہ رزق چاہیے تو اس کے لیے ایسے وسائل اختیار کرنا ہوں گے جن کے ذریعے زیادہ رزق حاصل ہو سکے۔

مدارس میں جس توکل کی تلقین کی جاتی ہے وہ کتاب وسنت کی غلط تعبیر ہے۔یہی وجہ ہے کہ خود اربابِ مدارس اس طرح کا توکل اختیار نہیں کرتے بلکہ اپنی ذاتی اور ادارہ جاتی آمدنی کو بڑھانے کے لئے ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔

فقر اور غربت کوئی ایسی شے نہیں جس کی خواہش کی جائے۔ارشاد نبوی ہے: کاد الفقر ان یکون کفرا۔ فقر انسان کو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ یاد رہے کہ رسول اللہ کا فقر

اختیاری تھا جیسے کوئی شخص سب کچھ ہونے کے باوجود سادہ زندگی گزارنے کو ترجیح دے۔اس ضمن میں سب سے نقصان دہ رویہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی غربت اور تنگدستی کو گلوریفائی کر کے پیش کیا جائے کہ ان کا کچا مکان ہے اور.......جب کہ کرائے کا مکان یا کچا مکان کسی عظمت کی علامت نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ کسل مندی یا بے محنتی کی سزا ہو۔

وسائل رزق میں چار چیزیں شامل ہیں:

۱۔صنعت ۲۔زراعت ۳۔تجارت ۴۔ملازمت

ان میں سے سب سے کم تر درجہ ملازمت کا ہے جو ایک نوع کی غلامی ہوتی ہے اور ائمہ، موذنین، دینی مدارس کے اساتذہ کو اسی درجے میں رکھا جاتا ہے اور انہیں اتنی اجرت دی جاتی ہے جس سے وہ بمشکل زندہ رہ سکیں۔اس میں بھی اگر ایسا کام ہو جس میں مزدور اپنی اجرت خود مقرر کر سکتا ہو تو حالات نسبتاً بہتر ہوتے ہیں جیسے مستری، درزی اور بڑھئی وغیرہ۔

اجرت کے بارے میں اصول یہ ہے کہ یہ طلب ورسد کی بنیاد پر مقرر کی جاتی ہے جب ہر سال لاکھوں کی تعداد میں دینی مدارس کے فضلاء سماج میں آئیں گے تو اس قدر ملازمتیں تو نہیں پیدا ہوتیں جیسے فاضل تعداد میں انجینئر اور آئی ٹی گریجویٹس یا ایم بی اے پیدا کرنے کے یہی نتائج سامنے آئے ہیں۔

مدارس جو خوش پوش، خوش خوراک اور کسل مند طبقہ پیدا کرتا ہے، اسے اپنے حالات بہتر کرنے کے لیے اپنے آپ کو اس ذہنی کیفیت سے باہر لانا چاہیے کہ ہاتھ سے کام کرنا ہماری توہین ہے۔صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کریں کہ وہ ہر طرح کی محنت مزدوری کرتے تھے اور کتنے باعزت تھے۔زراعت، صنعت، تجارت اور ملازمت جو بھی مناسب حال ہو شروع کر کے غریب الدیار اور بے وسیلہ ہونے سے آغاز کر کے ایک ایک بندہ کروڑوں اور اربوں کا مالک ہو گیا تھا۔

آپ خود سوچیے کہ جو اسلام بھوکوں مارتا ہو اس کی طرف کتنے لوگوں کو رغبت ہو گی۔اسی لیے رسول اللہ اپنی دعوت میں یہ بات بتاتے تھے کہ ''عرب پر تمہاری حکومت ہو گی اور عجم تمہارے زیرنگیں ہو گا'' اٹھیے کوئی کام شروع کیجیے، کاروبار کیجیے اور خوش حال ہو جائیے۔ گاڑیاں اور بنگلے آپ کے انتظار میں ہیں۔

تعلیم و تربیت

محمد عمیر

خاموش ٹیچر

پیارے والدین! آپ اپنے بچوں کی بہترین تربیت کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اچھی تعلیم اور مہارتیں ضرور سکھائیں اور بچوں کو ٹیلنٹڈ بنانے کی کوشش ضرور کریں لیکن پہلے گھر میں ایک "آبزرویشن سسٹم" انسٹال کرلیں اور وقفے وقفے سے چیک کرتے رہیں ورنہ بچوں کے حوالے سے آپ کی ساری کوششیں مٹی میں مل سکتی ہیں۔

یہ "آبزرویشن سسٹم" اور خاموش ٹیچر گھر کا ماحول ہے۔

بچے کی تعلیم کا معاملہ ہو یا تربیت کا، ہماری سوسائٹی میں والدین کی اکثریت سمجھتی ہے بلکہ عقیدہ رکھتی ہے کہ ہم بچوں کو بول کر سکھاتے ہیں، اپنے ساتھ بٹھا کر، متوجہ کرکے سکھاتے ہیں اور بس.... لیکن یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ "گھر کا ماحول" ایک خاموش استاد ہوتا ہے۔

- صبح جاگنے کے بعد بیڈ روم کی ترتیب کیسی رہتی ہے؟
- ڈرائنگ روم کی سیٹنگ سلیقے سے ہے کہ نہیں؟
- لاؤنج کی تمام چیزیں استعمال کے بعد واپس جگہ پر رکھی ہوئی ہوتی ہیں یا ادھر ادھر بکھری رہتی ہیں؟
- کچن میں کھانا بنانے کے بعد برتن، شیلف کا سامان دوبارہ ترتیب سے رکھا جاتا ہے یا پھیلا ہوا نظر آتا ہے؟
- گھر میں بڑے بات کرتے وقت "ٹون" کیسی رکھتے ہیں، سافٹ یا گلا پھاڑ آواز؟
- آپس میں بات کرتے وقت "لینگویج کا اسٹینڈرڈ" کیا ہوتا ہے؟
- گھر کے بڑوں کا سونے، جاگنے کا کوئی وقت ہے یا ہر وقت سونے جاگنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے؟

گھر میں ناشتے، کھانے کا خاص وقت طے ہے یا اللہ ہی اللہ....

یہ ڈیلی روٹین کے کچھ رویے ہیں جو گھر کا ماحول بناتے ہیں اور یہ" خاموش ٹیچر" بن کر خاموشی سے بچوں کو بہت کچھ سکھاتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ ایک ڈائری میں ڈیلی روٹین کے کاموں کے انداز کے بارے میں اپنا مشاہدہ غیر جانب داری سے نوٹ کریں۔

بقیہ: واہ کینٹ کے ماڈل تعلیمی ادارے

مقاصد

اس سے ہمارے پیش نظر مدرسہ میں زیر تعلیم بچوں کو عصری تعلیم فراہم کرنے کے لیے ایک ایسا نظام بنانا ہے کہ بچے حفظ، تجوید اور اولیٰ کلاسز کے ساتھ ساتھ سکول کی میٹرک تک کی عصری تعلیم بھی حاصل کر لیں اور میٹرک تک تعلیم حاصل کر لینے کے باعث، درس نظامی کے لیے ایک بہتر استعداد حاصل کر لیں اور ایک بہترین عالم بن سکیں۔

ترتیب

تمام جماعتوں میں رہائشی و غیر رہائشی داخلے لیے جاتے ہیں۔ غیر رہائشی طلبا کا نماز عصر تک رکنا لازم ہے۔ ثانویہ عامہ سے پہلے میٹرک اور اولیٰ کی تعلیم کا مکمل ہونا ضروری ہے۔

ابتدائی طور پر واہ کینٹ میں ایک ''مدرسہ سکول'' پانچ سال قبل شروع کیا گیا تھا۔ اس مدرسہ وسکول کے باہمی اشتراک کے نتائج بڑے حوصلہ افزا نکلے۔ نہ صرف درس نظامی کے لیے بہتر معیاری طلبا میسر ہوئے بلکہ مدرسہ میں طلبا کے داخلوں کی تعداد اتنی بڑھی کہ داخلہ کے لیے شرائط مقرر کر دی گئیں اور ادارے کو داخلوں کی تعداد کو محدود کرنا پڑا۔ اب مزید دو دینی مدارس میں یہ مدرسہ سکول شروع کیا گیا ہے۔ علاقے کے مزید مدارس بھی اس نظام تعلیم کو شروع کرنے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں۔

تفہیم دین مدیر

مولانا مودودیؒ-ایک عبقری شخصیت

مولانا نے جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء میں قائم کی لیکن انہوں نے ۱۹۴۰ء ہی میں اندازہ لگالیا تھا کہ جماعت کو ۲۰۲۳ء میں کن امور کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہوگی

اقتباسات میں الفاظ مولانا مودودیؒ کے ہیں۔ہم نے ان کی
ابتداء میں قوسین میں چند الفاظ کا اضافہ کردیا ہے

حال ہی میں ہمیں مولانا کے پمفلٹ ''اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟'' کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا جو دراصل ایک تقریر ہے جو مولانا نے علی گڑھ یونیورسٹی میں ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء کو کی تھی۔

ہم مولانا کے تبحرِ علمی اور فکرِ رسا کے تو پہلے ہی قائل تھے، اس تحریر کو پڑھ کر ہمیں ان کی فراست، دور اندیشی بلکہ پیش بینی کا بھی یقین ہوگیا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "اتَّقُوا فِراسةَ المؤمنِ فإنّه ينظرُ بنورِ اللهِ."[1] یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم اپنے جماعتی بھائیوں سے درخواست کریں گے کہ وہ مولانا کے ان فرمودات کو توجہ سے پڑھیں۔

[اے اہل جماعت!]

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج اگر آپ کو ایک خطۂ زمین حکومت کرنے کے لیے دے بھی دیا جائے تو آپ اسلامی اصول پر اس کا انتظام ایک دن بھی نہ چلا سکیں گے۔ اسلامی حکومت کو پولیس، عدالت، فوج، مال گزاری، فنانس، تعلیمات اور خارجہ پالیسی کو چلانے کے لیے جس ذہنیت اور جس اخلاقی روح رکھنے والے آدمیوں کی ضرورت ہے انہیں فراہم کرنے کا کوئی بندوبست آپ نے نہیں کیا ہے۔ یہ تعلیم جو آپ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جاری

[1] جامع ترمذی، رقم الحدیث: ۳۱۲۷

ہے، غیر اسلامی حکومت کے لیے تو سیکرٹری اور وزرا تک فراہم کر سکتی ہے مگر برانہ مانیے اسلامی عدالتوں کے لیے چپڑاسی اور اسلامی پولیس کے لیے کانسٹیبل تک فراہم نہیں کر سکتی۔ اور یہ بات آپ کے اس نظامِ تعلیم تک ہی محدود نہیں ہے ہمارا وہ پرانا نظامِ تعلیم [یعنی دینی مدارس کا] جو حرکتِ زمین کا سرے سے قائل ہی نہیں ہے، وہ بھی اس معاملہ میں اتنا ناکارہ ہے کہ اس دورِ جدید میں اسلامی حکومت کے لیے ایک قاضی، ایک وزیرِ مال، ایک وزیرِ جنگ، ایک ناظمِ تعلیمات اور ایک سفیر بھی مہیا نہیں کر سکتا۔''

[لوگ جماعت کو ووٹ کیوں دیں؟]

''یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب ویابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں، اتنے ہی اس قوم میں موجود ہیں۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہیاں دینے والے جس قدر کافر قومیں فراہم کرتی ہیں غالباً اسی تناسب سے یہ بھی فراہم کرتی ہے۔ رشوت، چوری، زنا، جھوٹ اور دوسرے تمام ذمائم اخلاق میں یہ کفار سے کچھ کم نہیں ہے۔ پیٹ بھرنے اور دولت کمانے کے لیے جو تدبیریں کفار کرتے ہیں وہی اس قوم کے لوگ بھی کرتے ہیں۔ ایک مسلمان وکیل جان بوجھ کر حق کے خلاف اپنے موکل کی پیروی کرتے وقت اتنا ہی خدا کے خوف سے خالی ہوتا ہے جتنا ایک غیر مسلم وکیل ہوتا ہے۔ ایک مسلمان رئیس دولت پا کر یا ایک مسلمان عہدہ دار حکومت پا کر وہی سب کچھ کرتا ہے جو غیر مسلم کرتا ہے۔ یہ اخلاقی حالت، جس قوم کی ہو.... اس سے اعلائے کلمۃ اللہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

[موجودہ ناقص نظامِ تعلیم کے ہوتے ہوئے اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی]

''اسلامی انقلاب صرف اسی صورت میں برپا ہو سکتا ہے جب کہ ایک عمومی تحریک قرآنی نظریات وتصورات اور محمدی سیرت وکردار کی بنیاد پر اٹھے اور اجتماعی زندگی کی ساری ذہنی، اخلاقی، نفسیاتی اور تہذیبی بنیادوں کو طاقتور جدوجہد سے بدل ڈالے۔ یہ بات کم از کم میری سمجھ میں نہیں آتی کہ قوم پرستانہ نوعیت کی کوئی تحریک جس کا پس منظر یہ ناقص نظامِ تعلیم ہو جو اس وقت ہمارے ہاں پایا جاتا ہے اور جس کی بنیاد افادی اخلاقیات (Utilitarian

Morals) اور مصلحت پرستی (Pragmatism) پر ہو اسلامی انقلاب آخر کس طرح برپا کر سکتی ہے؟''

[کیا جماعت نے نیا اسلامی تعلیمی نظام اور اسلامی ریاست کے ہر شعبے کے لیے مکمل تفصیلی خاکہ تیار کیا ہے؟ اور کیا اسے فکری سیادت حاصل ہے؟]

''اسلامی حکومت کسی معجزے کی شکل میں صادر نہیں ہوتی۔ اس کے پیدا ہونے کے لیے ناگزیر ہے کہ ابتداء میں ایک ایسی تحریک اٹھے جس کی بنیاد میں وہ نظریۂ حیات، وہ مقصدِ زندگی، وہ معیارِ اخلاق وہ سیرت و کردار ہو جو اسلام کے مزاج سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس کے لیڈر اور کارکن صرف وہی لوگ ہوں جو اس خاص طرز کی انسانیت کے سانچے میں ڈھلنے کے لیے مستعد ہوں۔ پھر وہ اپنی جدوجہد سے سوسائٹی میں اسی ذہنیت اور اسی اخلاقی روح کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ پھر اسی بنیاد پر تعلیم و تربیت کا ایک نیا نظام اٹھے جو اس مخصوص ٹائپ کے آدمی تیار کرے۔ اس سے مسلم سائنٹسٹ، مسلم فلسفی، مسلم مورخ، مسلم ماہرینِ مالیات ومعاشیات، مسلم ماہرینِ قانون، مسلم ماہرینِ سیاست، غرض ہر شعبۂ علم وفن میں ایسے آدمی پیدا ہوں جو اپنی نظر وفکر کے اعتبار سے مسلم ہوں، جن میں یہ قابلیت موجود ہو کہ افکار ونظریات کا ایک پورا نظام اور عملی زندگی کا ایک مکمل خاکہ اسلامی اصول پر مرتب کر سکیں اور جن میں اتنی طاقت ہو کہ دنیا کے ناخدا شناس ائمۂ فکر کے مقابلہ میں اپنی عقلی وذہنی سیادت (Intellectual Leadership) کا سکہ جمادیں۔''

[جماعت منزل تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟]

''آج کل مَیں دیکھ رہا ہوں کہ اسلامی حکومت کا کام بازیچۂ اطفال بنا ہوا ہے۔ مختلف حلقوں سے اس تصور اور اس مقصد کا اظہار ہو رہا ہے۔ مگر ایسے ایسے عجیب راستے اس منزل تک پہنچنے کے لیے تجویز کیے جا رہے ہیں جن سے وہاں تک پہنچنا اتنا ہی محال ہے جتنا موٹر کار کے ذریعے امریکا تک پہنچنا۔''

تفہیم دین

مولانا احتشام صدیقی

کیا 'اجتماعی قربانی' جائز ہے؟

ہماری رائے میں یہ مقاصدِ شریعت کے خلاف ہے

گزشتہ کئی برس سے اجتماعی قربانی کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اس کی ابتداء کراچی میں ایک ضرورت کے تحت پیش آئی جب ایم کیو ایم کی دہشت گردی کا نشانہ قربانی کے جانوروں کی کھالیں بنیں۔ لوگوں نے کھال چھینے جانے کے خوف سے مختلف اداروں سے رجوع کیا اور ایک ضرورت کے تحت اداروں کی زیر نگرانی یہ سلسلہ سکون سے جاری رہا۔ لیکن وہ اضطراری حالت ختم ہوگئی ہے لیکن اجتماعی قربانی کا عمل اداروں کی سرپرستی میں دوام حاصل کر چکا ہے جس کے مفاسد نہایت خطرناک ہیں۔ مسئلہ صرف کراچی تک محدود نہیں اب پورے ملک میں ہر سڑک پر اجتماعی قربانی کے اشتہار لگے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اجتماعی قربانی کی ترغیب دی جارہی ہے۔

بنیادی سوالات جن پر غور کیا جانا چاہیے، وہ یہ ہیں:

۱۔ کیا قربانی کا حکم فرد کو دیا گیا ہے یا اداروں کو؟

۲۔ اسلامی تاریخ میں عہد رسالت ﷺ سے لے کر خلافت عثمانیہ تک اور اس کے بعد بھی سالوں تک لوگ ذاتی طور پر قربانی کرتے تھے۔ اجتماعی قربانی کی روایت وہاں نظر کیوں نہیں آتی؟

۳۔ قربانی کے سلسلے میں رسول کریم ﷺ کے جو احکام ہیں امت ان احکام پر قربانی کے ایام میں عمل کرتی تھی۔ قربانی سے متعلق تمام فقہی احکام بھی امت کو از بر تھے کیونکہ لوگ خود قربانی کا جانور خریدتے، اس کی خریداری فقہی احکام کے مطابق ہوتی، لوگ جانور کو پالتے، اس کی خدمت کرتے اور اس سے محبت پیدا کر کے اسے ذبح کرتے جو دین میں مطلوب عمل ہے۔ کیا اجتماعی قربانی کے نتیجے میں عام آدمی کو حاصل علم اور دین کو مطلوب عمل باقی رہنے کا کوئی امکان ہے؟

۴۔ لوگ جب جانور خود نہیں خریدیں گے، خود ذبح کرنے کے انتظامات نہیں کریں گے، خود اس کی خدمت نہیں کریں گے تو ان سنن اور نفلی احکام کا کیا ہوگا جن پر عمل فرد کی ذمہ

داری ہے، اداروں کی نہیں؟

۵۔ قربانی کے جانور کے ذریعے لوگ شہروں کی غیر فطری زندگی میں فطرت سے تعلق قائم کرتے تھے۔ بچوں میں اسلامی روایات، احکام، فقہ اسلامی کے اصول اس قربانی کے ذریعے محفوظ رہتے تھے لیکن جب قربانی کا کام اداروں نے سنبھال لیا تو قربانی کی سنت، اس کا علم، اس کی فقہ عوام کے حافظے سے خارج نہیں ہو جائے گی؟

۶۔ گائے کی قربانی میں سات حصے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایک ہی محلے کے لوگ مل جل کر گائے کی خریداری کرتے تھے۔ اس عمل کے ذریعے وہ گائے کی کٹائی، گوشت کی تقسیم، حصہ داروں کے حقوق وغیرہ سے احکام دین کے ذریعے واقف ہو جاتے تھے۔ ان کے درمیان سماجی، معاشرتی روابط مضبوط ہوتے تھے، ایک دینی اجتماعیت پیدا ہوتی تھی۔ محلے والے اور ان کے بچے مل جل کر خریداری کے لیے منڈی جاتے، جانوروں کی تلاش کرتے جس سے آپس میں قریبی روابط پیدا ہوتے تھے اور علم فقہ بچوں میں عملی طور پر منتقل ہوتا تھا۔ کیا اجتماعی قربانی نے اس پورے عمل کو ختم نہیں کر دیا؟

یہ چند سوالات، خدشات، شبہات ہیں جو کئی سالوں سے مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ ان پر کچھ علماء سے گفتگو بھی ہوئی لیکن کوئی واضح لائحہ عمل نہیں مل سکا۔ اب یہ سن رہے ہیں کہ مارکیٹ میں بڑی بڑی کمپنیاں آ رہی ہیں جو نہایت اعلیٰ طریقے سے گوشت کاٹیں گی، اسے سر بند ڈبے میں محفوظ کریں گی، قربانی کے جانور کے ہر حصے کا گوشت الگ الگ خانوں میں رکھیں گی اور انہیں گھر بھی پہنچا دیں گی۔ کراچی اور لاہور میں کچھ کمپنیوں نے یہ کام شروع بھی کر دیا ہے۔ یہ کام اگر بڑھا اور پھیلا تو اجتماعی قربانی کے اداروں سے یہ کام نکل کر ان کمپنیوں کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ ان کی خدمات اور معیار جس درجے کا ہوگا ظاہر ہے وہ معیار اجتماعی قربانی کے ادارے مہیا نہیں کر سکتے۔ اس کے نتیجے میں نقصان امت کو ہی پہنچے گا۔ کیا ہم اس وقت ان کمپنیوں کی مخالفت کر سکیں گے اور عوام کو یہ پیغام دینے کے قابل رہیں گے کہ قربانی کرنے کا حکم فرد کو دیا گیا ہے اداروں کو نہیں؟ وہ وقت اگر آ گیا تو امت کو کتنے بڑے خسارے کا سامنا ہوگا؟

(بقیہ صفحہ نمبر: ۳۱)

تفہیم دین سید خالد جامعی

جدید قومی ریاست میں
علماء کرام کا نہ کوئی وقار، نہ کوئی حیثیت

بلی گراہم تمام امریکی صدور کی پسندیدہ روحانی شخصیت رہے مگر امریکہ سیکولر رہا

1918ء میں پیدا ہونے والے مشہور امریکی عیسائی پادری بلی گراہم ۲۰۱۸ء میں سو برس پورے کرنے کے بعد انتقال کر گئے۔ وہ امریکہ میں Evangical Church کے سب سے اہم عالم، سب سے بڑی روحانی شخصیت تھے۔ لنڈن بی جانسن سے لے کر موجودہ امریکی صدر تک ان کی مذہبیت و روحانیت سے بے حد متاثر تھے اور اپنی انتخابی مہمات میں کامیابی کے لیے ان کی روحانی سرپرستی حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ ایک خاص مذہبی قوم پرست رہنما بھی تھے۔ دنیا بھر میں جدید ریاستوں کے قیام کے بعد عموماً مذہبی قیادت قوم پرستی کے باطل عقیدے کا شکار ہو چکی ہے لہٰذا قوم پرستی اب مذہب کی سرپرستی سے طاقت حاصل کر رہی ہے مذہبی قوم پرستی سب سے زیادہ کامیاب رہی ہے۔ ایران، ترکی اور پاکستان اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

عیسائی عالم بلی گراہم ستر سال تک امریکی عوام اور حکمرانوں پر راج کرتے رہے۔ ۱۹۵۷ء میں انہوں نے تبلیغ کے لیے بیس لاکھ لوگوں کو اکٹھا کیا۔ اس مذہبی مہم کا نام تھا 'Personal Evangelism on a Mass Scale'۔ بلی گراہم کی شخصیت، روحانیت اور مذہبیت امریکی ریاست پر بالکل اثر انداز نہ ہو سکی کیونکہ ریاست تو مذہب کے تعلق کو بالاتر تعقل کے طور پر قبول ہی نہیں کرتی۔

دنیا بھر میں مذاہبِ عالم اور مذہبی تحریکیں ایک نکاتی احتجاجی تحریک تک محدود رہ گئی ہیں

عالم مغرب اور امریکہ میں عیسائی مذہب گزشتہ سو برسوں سے اسقاطِ حمل کے خلاف احتجاجی تحریک میں تبدیل ہو گیا ہے۔ عیسائیت کو مغرب، مغربی تہذیب، مغربی فلسفے اور نظام

سرمایہ داری سے بس ایک مسئلے پر اختلاف ہے باقی سب ٹھیک ہے، لہٰذا عیسائیت ایک نکاتی، مطالباتی، احتجاجی تحریک میں تحلیل ہوگئی۔ دنیا بھر میں تمام مذہبی تحریکیں اسی راستے پر چل رہی ہیں۔Single Issue Movement یعنی تمام مسائل کی جڑ بس کوئی ایک مسئلہ ہے یہی مرکزی موضوع ہے اس کے سوا سب کچھ ٹھیک ہے۔

امریکی صدور جانسن، نکسن، رونالڈ ریگن، جارج بش سینئر، جمی کارٹر، جارج بش جونیئر، سب بلی گراہم سے متاثر تھے لیکن امریکی ریاست کبھی مذہبی نہیں ہوسکی۔ جدید ریاست کا مسئلہ ہدایت نہیں صرف تعلیم اور ترقی ہے۔ مذہبی قوت اس سیکولرائزیشن کے کام آسکے تو بہت بہتر، جدید ریاست کا کام صرف تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ انسان تیار کرنا ہے، نیک انسان ریاست کا مسئلہ نہیں کیونکہ نیکی کوئی خیر نہیں، نہ فرد کی مرضی ہے لہٰذا جدید ریاست مذہب، Ethics اور Morals کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دیتی ہے اس میں مداخلت نہیں کرتی لیکن قانون کو وہ مذہب، اخلاق سے زیادہ اہمیت دیتی ہے وہ Law کی خلاف ورزی کسی صورت برداشت نہیں کرتی Morals اور Ethics کی خلاف ورزی ہنسی خوشی نظر انداز کرتی ہے کہ یہ ریاست کا مسئلہ ہی نہیں۔ جان لاک نے لکھا تھا کہ جب خدا نے ہر شخص کو جنت یا جہنم میں جانے کی آزادی دی ہے تو ریاست کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کو جہنم میں جانے سے روک دے۔ یہ ریاست کا مسئلہ ہی نہیں۔ ریاست فرد کی جان، ملکیت اور آزادی کا تحفظ کرے۔

جدید ریاست کا اصل مقصد تعلیم یافتہ ترقی، یافتہ انسان ہے ہدایت یافتہ انسان نہیں

جدید قومی جمہوری ریاست میں مذہبی تعقل کو غلبہ نہیں مل سکتا۔UCHR کا فیصلہ

بلی گراہم امریکی صدور پر براہ راست اثر انداز ہوئے۔ جمی کارٹر ان سے مذہبی روحانیت حاصل کرتے۔ گراہم جمی کارٹر کے مشیر اور دوست بھی تھے نکسن ان کے مرید تھے۔ نکسن کے مقابلے پر سنیٹر جان ایف کنیڈی رومن کیتھولک تھے لہٰذا نکسن کو کامیاب کرانے کے لیے گراہم نے مذہبی اثر کو استعمال کیا تاکہ ویٹی کن کے اثر کو ناکام کیا جائے۔ رونالڈ ریگن گراہم کو اکثر مہمان کی حیثیت سے مدعو کرتے تھے۔ بش سینئر نے انہیں برکت کے لیے وہائٹ ہاؤس میں آنے اور قیام کرنے کی دعوت دی لیکن امریکی خدا دشمن سیکولر ریاست کو مذہبی

بنانے میں بلی گراہم کوئی کردار ادا نہ کر سکے۔ وہ امریکی ریاست پر کوئی اثر نہ ڈال سکے کیونکہ جدید ریاست اپنی ماہیت و فطرت میں صرف سیکولر، لبرل اور مذہب دشمن ہوتی ہے۔ وہ صرف آزادی، مساوات اور ترقی کے عقیدوں کو مانتی ہے۔ وہ ہدایت یافتہ انسان تیار نہیں کرتی وہ صرف اور صرف تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ انسان تیار کرتی ہے۔ جدید ریاست کا پبلک لاء کبھی مذہبی نہیں ہوسکتا۔ یورپین کورٹ آف ہیومن رائٹس [UCHR] نے Rafah Vs Turkey نامی تاریخی مقدمے میں نجم الدین اربکان کی حکومت کے خاتمے کے خلاف ترکی کی سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف رفاہ پارٹی کے صدر اور ترکی کے منتخب وزیر اعظم اربکان کی اپیل مسترد کرتے ہوئے ترکی سپریم کورٹ کی جانب سے اربکان کی برطرفی کو جائز قرار دیتے ہوئے اس اصول کو ہمیشہ کے لیے طے کر دیا ہے۔ بلی گراہم کی ایوان صدر تک رسائی، تمام امریکی صدور سے ان کے دوستانہ تعلقات کے باوجود امریکہ کی مذہب دشمنی، مذاہب عالم سے نفرت اور امریکی دہشت گردی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلی گراہم کی شخصیت اور ان کے امریکی ایوان صدر پر اثرات سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہوگئی کہ عالموں کی حکمرانوں سے دوستی، ان کی روحانی سرپرستی اور ان کے مشیر بننے کے باوجود جدید ریاست پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حیرت ہے کہ اکثر مذاہب کے علماء ان مباحث سے واقف ہی نہیں۔

علماء قومی ریاستی مفاد کے مطابق بیانات دیں تو ریاست خوش رہتی ہے

نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق [مؤرخہ ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء] بلی گراہم نے ۱۹۸۲ء میں سوویت یونین کے دورے کے دوران روس میں کلیساؤں کی بہترین حالت کی تعریف کی اور کہا کہ روس میں عیسائی اقلیتوں پر کوئی جبر اور دباؤ نہیں دیکھا گیا۔ گراہم نے اس دورے میں عالمی سطح پر جوہری ہتھیاروں کی تیاری پر پابندی کا مطالبہ کیا تو ان کے مرید امریکی صدر ریگن بہت ناراض ہوئے۔ دوسرے معنوں میں جب تک بلی گراہم امریکی ریاستی قومی مفادات کے حق میں بیانات دیتے رہے وہ ٹھیک تھا۔ جب وہ ریاستی مفادات کے خلاف کچھ کہنے لگے تو وہ ناپسندیدہ ہوگئے۔ جدید ریاست میں علماء کا کردار صرف بلڈ گروپ O+ پازیٹو گروپ کا ہے۔ اگر وہ خود کو حکومت سے جوڑ لیں، سرکار کی ہاں میں ہاں ملائیں تو وہ

اچھے لوگ شمار ہوتے ہیں، VIP بن جاتے ہیں ورنہ ریاست کے دشمن شمار ہوتے ہیں۔ مغرب میں کلیسا اور پوپ کا کردار صرف عیسائیت کو سیکولرائز کرنے کا ہے۔ امریکہ اور مغرب میں تمام عیسائی تحریکیں صرف اسقاطِ حمل کی مخالف تحریک کے اندر تحلیل ہو کر رہ گئی ہیں۔

امریکہ میں مذہبیت کے اظہار کے صرف دو طریقے ہیں: انجیل پر حلف اور اسقاطِ حمل کی مخالفت

امریکہ میں تمام عیسائی مکاتب فکر کی مذہبیت بس دو ہی صورتوں میں اپنا اظہار کرتی ہے (۱) امریکہ میں صدر کی حلف برداری کے موقع پر صدر انجیل پر حلف اٹھالے اور قدامت پرستی کے کچھ اقدامات کر لے اور (۲) اسقاطِ حمل کے معاملے میں کلیسا کی بات سنے۔ اس کے سوا ان کے پاس کہنے اور کرنے کے لیے کچھ نہیں۔ پورا دین انجیل پر حلف اور اسقاط حمل ختم کرنے میں محصور ہو گیا ہے۔ یہی حال پورے یورپ کا ہے جہاں عیسائی مذہب صرف اسقاط حمل یا نصاب سے سائنسی ارتقاء کے مضامین خارج کرانے کی احتجاجی تحریکیں چلاتا ہے۔ (نظریۂ ارتقاEvolutionry Theory) کی بجائے (نظریۂ تخلیقCreation theory) اس کا اصل میدان ہے۔ سکولوں میں نصاب کی تبدیلی پر بھی اس کا زور ہے۔ ڈاکٹر مظفر اقبال نے اپنی کتاب *Islam and Science* میں اس موضوع پر بعض نہایت اہم معلومات جمع کی ہیں۔

ایک نکاتی تحریکوں [Single Issue Movements] کا اصل مسئلہ ان کا ہنگامی کردار ہے

ایک نکاتی تحریک حاضر و موجود نظام کو مضبوط کرتی اور انقلاب کے تمام امکانات ختم کر دیتی ہے۔ ایک نکاتی احتجاجی تحریک کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ اگر ریاست وہ مطالبہ مان لے تو احتجاجی تحریک ایک لمحے میں ختم ہو جاتی ہے۔ بعد میں ریاست مطالبہ ماننے سے انکار کر دے یا If اور But پر اتر آئے تو احتجاجی تحریک دوبارہ نہیں اٹھ سکتی۔

پورے مغرب میں مذہب صرف احتجاج، غصے اور ناراضگی کے دو تین امور تک محدود ہو چکا ہے۔ عالم اسلام میں بھی تمام مذہبی، اسلامی، اصلاحی، انقلابی، احیائی، تبلیغی، تعلیمی

تحریکیں اور مذہبی سیاست بس احتجاج، جلسے، جلوس، یک نکاتی مطالبے، سنگل ایشو موومنٹ اور رسوم و رواج تک محدود ہوتی جا رہی ہے۔

مطالبہ ماننے والی قوت تحریک ختم کرنے کے بعد تحریک کے ساتھ جو چاہے سلوک کرتی ہے کیونکہ بار بار تحریک اٹھانا ممکن نہیں ہوتا۔ مطالبے کی منظوری سے یہ تاثر ملتا ہے کہ تحریک کو عظیم الشان کامیابی مل گئی۔ جمہوریت میں اس طرح کی تحریکوں کو مکمل آزادی دی جاتی ہے کیونکہ یہ پورے نظام زندگی کے لیے خطرہ نہیں بنتیں، صرف نظام میں اپنا جزوی حصہ وصول کرنا چاہتی ہیں لہٰذا نظام ان کو سمونے کے لیے تحریک چلانے کی آزادی خود دیتا ہے تاکہ وہ اس جمہوری طریقے سے جمہوریت کے نظام کا حصہ بن جائیں اور آخر کار اس میں تحلیل ہو جائیں۔

احتجاجی تحریک باطل نظامِ زندگی اور حاضر و موجود اداروں میں کوئی تبدیلی پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہے، وہ صرف لوگوں کے جذبات کو اپیل کرتی ہے اور جذبات کی سطح پر اٹھ کر مطالبہ منظور ہوتے ہی منتشر ہو جاتی ہے۔ ایسی تحریکیں لوگوں کی تیسری سطح کی خواہش [Third Order Desire] کو ان کی پہلی سطح کی خواہش [First Order Desire] نہیں بنا سکتیں اور تحریکوں کی یہی کمزوری، نظامِ حاضر و موجود کو تقویت و توانائی مہیا کرتی ہے۔ احتجاجی تحریکیں برپا کرتے کرتے مذہبی جماعتیں بس پریشر گروپ بن جاتی ہیں اور ان کی عوامی مقبولیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

جدید ریاست و حکومت ایسی تحریکوں سے نمٹنے کے طریقے خوب جانتی ہے لہٰذا وہ ان تحریکوں کو اپنے لیے کوئی بڑا خطرہ نہیں سمجھتی کیونکہ شعوری سطح پر یہ تحریکیں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہیں کرتیں۔ عام طور پر ان کے مطالبات سے نظامِ حاضر و موجود میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

عموماً ان کی باتیں سن لی جاتی ہیں۔ درمیان میں کوئی ضامن بھی آ جاتا ہے۔ تیسرے فریق کی ضمانت پر یہ تحریکیں صلح کر لیتی ہیں۔ بعد میں تیسرا فریق کہتا ہے کہ ہمارا اس ضمانت سے کیا تعلق؟ ہم نے کوئی ضمانت نہیں دی ہم تو اس وقت کے حالات میں امن و امان قائم کرنے، ملک بچانے، خانہ جنگی روکنے، ملک کی حفاظت کرنے کے لیے وسیع تر قومی مفاد میں آ گئے تھے۔ قانون اپنا کام کرے اگر کسی کے خلاف کوئی مقدمہ ہے تو عدالتی کاروائی پوری کی

جائے۔ ملزم کو فوراً گرفتار کیا جائے ہم نے کسی ملزم کو گرفتاری سے بچانے کی کوئی ضمانت نہیں دی۔

جو تحریک/قوت ریاستی نظام سے باہر ہے وہ اصل خطرہ ہے

سنگل ایشو تحریکوں کا فائدہ عموماً جدید ریاست کو ہوتا ہے۔ اسے تحریک چلانے والوں کی طاقت کا، خطرات کے علاقوں کا اور بے شمار ان کہی حقیقتوں کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً مولانا خادم حسین رضوی نے ممتاز قادری شہید کے چہلم پر اسلام آباد میں دھرنا دیا تو کسی ایک صحافی، میڈیا ہاؤس، اخبار، کالم نگار کو پتہ ہی نہیں تھا کہ مولانا خادم حسین رضوی کون ہیں؟ ڈان کے کالم نگار زاہد حسین نے اپنے کالم میں اس دھرنے کا اصل کردار سنی تحریک کے اعجاز ثروت کو قرار دیا کیونکہ وہ مشہور آدمی ہیں۔ مولانا خادم حسین ایک گوشہ نشین عالم تھے۔ میڈیا کا کوئی آدمی مولانا خادم حسین کے نام ہی سے واقف نہ تھا۔ وہ سب حیران و پریشان تھے کہ یہ کون صاحب ہیں اور کہاں سے آ گئے ہیں اور ان صاحب کا اتنا بڑا حلقہ بریلوی مکتب فکر میں موجود ہے اور یہ اتنے جرأت مند ہیں کہ کسی کے خلاف کچھ کہنے سے نہیں چوکتے۔ لہٰذا اس تحریک کو مستقبل میں برتنا، ان سے معاملہ کرنا آسان ہو گیا۔

اسی لیے ہابر ماس کہتا ہے کہ ہر مکتب فکر کو میڈیا پر مکالے میں شریک کرو، ان کا نقطۂ نظر سنو، انہیں مکالمے کے ذریعے جاننے سمجھنے کی کوشش کرو۔ جو شخص، جو تحریک اس نظام سے باہر ہے وہ نظام کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے کہ ہم اس کے عزائم اور ارادے نہیں جان سکتے، نہ اس کی قوت کا ہمیں اندازہ ہو سکتا ہے لہٰذا ہر ایک کو اظہار رائے کی آزادی دو، ہر ایک کو اپنا منصوبہ، اپنے ارادے پیش کرنے کی آزادی دو تا کہ ان کا نفسی تجزیہ [Psychoanalysis] کیا جا سکے۔ میڈیا کا ادارہ اسی لیے قائم کیا گیا ہے تا کہ لوگوں کے جذبات اس ذریعے سے اپنا اظہار کر دیں۔ میڈیا کیتلی کا ڈھکن اٹھا کر کیتلی کو تباہ ہونے سے بچاتا ہے ورنہ خطرہ ہے کہ کیتلی ریاست بھاپ کی شدت سے اڑ نہ جائے۔ میڈیا اس طریقے سے لوگوں کو ایک Spectator اور Consumer میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تماشائی صرف تماشے دیکھتا، تالیاں بجاتا اور گالیاں دیتا ہے۔ اس کا انقلاب صرف میڈیا کی اسکرین کے سامنے برپا ہوتا رہتا ہے۔ وہ چائے کی پیالی میں طوفان اٹھاتا رہتا ہے۔

میڈیا اسی لیے جدید ریاست کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ وہ ریاست کے ساتھ چلتا ہے ورنہ ریاست اس کا بھی حشر نشر کر دیتی ہے۔ میڈیا ریاست کا آلہ کار ہوتا ہے کیونکہ جمہوریت اور سرمایہ داری کا خلقی [Intrinsic] تعلق ہے۔ سرمایہ داری کارپوریشن ریاست کے بغیر نہیں چل سکتی لہٰذا میڈیا سرمایے کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتا ورنہ ریاست اور سرمایہ دارانہ ادارے اسے کچل دیں گے۔ وہ اشتہارات سے چلتا ہے۔ اشتہارات سرمایہ دارانہ قومی ریاست دیتی ہے یا کارپوریشن لہٰذا وہ دونوں کے مفادات کا نگہبان ہے۔

سنگل ایشو موومنٹ خالص عقیدہ کی ہو تو انقلاب برپا کر سکتی ہے

اقتدار کا مطلب شریعت کا اقتدار ہے شریعت کی باتیں کرنے والوں کا اقتدار نہیں۔ سنگل ایشو موومنٹ کبھی کبھی خیر کا سبب بھی بن سکتی ہے اگر اس کے محرکین تمام حقائق کو سامنے رکھ کر نہایت باریک بینی، احتیاط کے ساتھ اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کریں۔ لیکن تاریخی تجربہ یہی بتاتا ہے کہ عموماً ایسی تحریکیں کارآمد نہیں ہوتیں۔ ویسے بھی استثنائی کامیابیوں کی بنیاد پر ان یک نکاتی تحریکوں کو دائمی حکمت عملی کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کبھی یہ کام آسکتی ہیں تو ان سے کام بھی لیا جا سکتا ہے کیونکہ حکمت عملی عقیدے کا نہیں طریق کار کا مسئلہ ہے۔

سنگل ایشو موومنٹ اگر آزادی کے باطل عقیدے کے خلاف ہو تو یہ انقلاب پیدا کر سکتی ہے کیونکہ آزادی عقیدہ ہے لہٰذا یہ عقیدے کی تحریک ہوگی اور عقیدے کی تحریک ایک نکاتی ہی ہوتی ہے مگر انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ لیکن ایک نکاتی تحریک حقوق کی ہو اور صرف احتجاج کی ہو اور جامع تحریک نہ ہو تو یہ کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔ عقیدے کی تحریک انقلاب کے لیے کسی سے مدد نہیں مانگتی۔ وہ کسی ثالثی کو تسلیم نہیں کرتی، وہ انقلاب برپا ہونے تک جاری رہتی ہے۔ نظام آپ کا ہو، اقتدار کسی اور کا ہو۔ یہ ممکن نہیں وہ اپنا اقتدار خود قائم کرتی ہے۔ پیرس کمیون اس کی حالیہ مثال ہے۔ اقتدار کے بغیر کوئی انقلاب کامیاب نہیں ہو سکتا۔ رسالت مآب ﷺ نے جتنے سلاطین کو خطوط لکھے ان سے یہی کہا کہ اللہ کا کلمہ پڑھو اور شریعت نافذ کر دو تو تمہارا اقتدار بحال رہے گا کیونکہ ہمارا مقصد حصولِ اقتدار نہیں نفاذِ شریعت ہے۔ اسلام میں اقتدار فرد کا نہیں شریعت کا ہوتا ہے۔ 'زاد المعاد' میں آتا ہے کہ منذر بن سادی کے نام خط میں رسالت

مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لکھا تھا کہ جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کیے رہو گے ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے۔ ہوذہ بن علی کے نام آپ نے لکھا: اسلام لاؤ سالم رہو گے اور تمہارے ماتحت جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے برقرار رہے گا۔ حاکم دمشق کو لکھا کہ تمہارے لیے تمہاری بادشاہت باقی رہے گی بشرطیکہ اللہ پر ایمان لاؤ جس کا کوئی شریک نہیں۔ شاہ عمان کے نام مکتوب مبارک میں لکھا: تم دونوں اسلام کا اقرار کرلو گے تو تم ہی دونوں کو والی اور حاکم بناؤں گا اور اگر تم دونوں نے اسلام سے گریز کیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہوجائے گی اور تمہاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آجائے گی۔ خطوط کے متن کے لیے زاد المعاد کی تیسری جلد ملاحظہ کیجیے۔ اسلام کے نفاذ اور غلبے کا مطلب کسی فرد کا غلبہ نہیں شریعت کا اقتدار اور کامل نفاذ ہے۔ اسی لیے حاکم کے خلاف خروج کی ایک ہی شرط ہے کہ وہ کفر بواح کا مرتکب ہو۔ شریعت کفر بواح کے ساتھ حاکم کو قبول نہیں کرتی کیونکہ خلافت ارضی کے چار مقاصد ہیں:

۱۔ صلوٰۃ ۲۔ زکوٰۃ ۳۔ امر بالمعروف ۴۔ نہی عن المنکر

کفر بواح اس کی ضد ہے لہٰذا اقتدار ہمارا ہوگا یا اس کا ہوگا جو ہماری شرائط کو عملاً تسلیم کرلے۔ یہی اسلامی تاریخ ہے۔ اقتدار اسلامی کا ایک ہی مطلب ہے: شریعت کا اقتدار۔ شریعت پر عمل کرنے اور کرانے والوں کا اقتدار نہ کہ شریعت کی باتیں بنانے والوں کا اقتدار۔

جدید ریاست میں علماء کی صرف چار حیثیتیں ہیں

علماء کا کام ریاست کی مشکل وقت میں مدد کرنا ہے۔ جدید ریاست میں علماء کی صرف چار حیثیتیں ہیں:

۱۔ ریاستی آلہ کار (State Spokesmsn or Agent) ۲۔ مذہب کو سیکولرائز کرنے والا عامل (Secularizing Agent) ۳۔ پریشر گروپ ۴۔ مذہب کے نام پر قومی سلامتی کے بلا معاوضہ مستقل وکیل (Free Advocate of National Solidarity)۔ بلی گراہم نے یہ چاروں فرائض نہایت دیانت داری سے ادا کیے۔ دنیا بھر میں مذہبی قیادت شعوری یا غیر شعوری طور پر نہایت اخلاص کے ساتھ عموماً یہی کردار ادا کرتی

ہے جو اسے ماڈرن ازم نے تفویض کیا ہے۔اس کے سوا علماء کا دوسرا کردار بغاوت،نراج،اور انقلاب سمجھا جاتا ہے۔

جدید ریاست علماء کو اپنے مفادات، مقاصد، اہداف کے لیے استعمال کرتی ہے اور اس کے بعد انہیں ایسے بھول جاتی ہے جیسے علماء وجود ہی نہیں رکھتے۔خود مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے اپنے کالم میں پاکستانی ریاست سے یہی شکوہ کیا ہے کہ جب بھی ریاست کسی مشکل وقت میں ہوتی ہے تو ہمیں یاد کرتی ہے اور اچھے وقتوں میں ہمیں کبھی نہیں پوچھتی۔حیرت یہ ہے کہ ریاست کے اس رویے کے باوجود علماء ہمیشہ مشکل وقت میں ریاست کی مدد کرنے پہنچ جاتے ہیں۔اس سے اپنا کوئی معمولی مطالبہ بھی نہیں منوا سکتے اور پھر شکوہ بھی کرتے ہیں۔وجہ یہ ہے کہ وہ جدید ریاست کی، ماہیت، اصلیت، حقیقت، مقاصد، اہداف سے واقف نہیں۔وہ اسے امارت، خلافت، بادشاہت سمجھتے ہیں۔ان کو معلوم ہی نہیں کہ یہ ریاست کیا ہے اور یہ ان کو کیسے کیسے استعمال کرتی ہے اور کس طرح علماء کے اثر ورسوخ کو کم کر رہی ہے،عوام میں ان کی وقعت کو کیسے کم کر رہی ہے اور عوام کا علماء پر سے اعتماد ختم کرنے کی کیا کیا منظم کوشش کر رہی ہے۔(جاری ہے)

بقیہ: کیا 'اجتماعی قربانی' جائز ہے؟

الحمدللہ! تمام مکاتب فکر کے جید علماء کی جانب سے اجتماعی قربانی کی حمایت میں کوئی فتویٰ تو نہیں آیا لیکن اس مسئلے پر ان اکابرین کی خاموشی میری ناقص رائے میں مناسب نہیں ہے۔امت کا تواتر، تعامل، اجماع حجت قطعی ہے لہٰذا امت صدیوں سے جس طرح قربانی کرتی آئی ہے اس سنت میں نئی روایت داخل کرنا کیا تواتر و اجماع سے انحراف نہیں ہوگا؟ اس دور میں قرآن وسنت پر عمل مسلسل کم ہو رہا ہے۔لوگ صرف اور صرف مال و دولت کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ایسے دور میں اگر ہم علماء اپنے ہی غلط عمل سے لوگوں کو سنت کے مطابق قربانی کرنے پر آمادہ کرنے کی بجائے لوگوں کو قربانی کے سنن و نوافل سے دور کرنے کا سبب بنیں تو کیا یہ قابل قبول صورت ہوگی؟

تفہیم دین سید خالد جامعی

تبلیغی جماعت اور مغرب

مدیر البرہان کے چار پانچ مضامین میں تبلیغی جماعت کے حوالے سے یہ نقطۂ نظر سامنے آیا ہے کہ یہ لوگ مغرب کے بارے میں عدم اعتناء کا رویہ رکھتے ہیں لہٰذا یہ جزوی اسلام پر زور دیتے ہیں اور کلی اسلام کو نظر انداز کرتے ہیں لہٰذا مغرب کے لیے یہ کوئی خطرہ نہیں۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ واقعتاً کیا مغرب تبلیغی جماعت کو اپنے لیے خطرہ سمجھتا ہے یا نہیں اور کیا مغرب انہیں قابل اعتناء سمجھتا ہے یا نہیں؟ شیری ٹی ہنٹر کی کتاب *The Voices of Islam* میں شامل ایک مضمون Refomist is moderate Voices in European Islam کا مصنف تبلیغی جماعت کو 'ٹروجن ہارس' کے طور پر دیکھتا ہے:

Yet European public do not consider these qroups to be moderate, they view them as a Trogian Horse that might cause a clash between Secular European and islamic value (New york 2009 P250).

اسی کتاب کے ایک اور مضمون میں مصنف نے تبلیغی جماعت کو انقلابی، عسکری، مزاحمتی، جہادی تحریکوں کی نرسری قرار دیا ہے۔ وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ تبلیغ نوجوانوں کو مسجد تک لاتی ہے، انہیں دین سے، تاریخ اسلامی سے اور اسلاف سے جوڑتی ہے اور جہادی تحریکیں انہیں اپنے اندر سمو لیتی ہیں لہٰذا تبلیغی جماعت کو ایک بے ضرر، ناکارہ، کم زور، غیر متعلق تحریک نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ بھی یورپی مغربی اقدار کے لیے ایک خطرہ ہے۔

ایک اور مصنف کی رائے میں 'دعوت اسلامی' بھی تبلیغی جماعت کی طرح بہت بڑا خطرہ ہے اور 'تحریک لبیک' کی عوامی مہمات میں 'دعوت اسلامی' والوں نے بھرپور حصہ لیا اور بتایا کہ تصوف والے جہادی بھی ہوتے ہیں، صرف دعوت کا کام نہیں کرتے لہٰذا انہیں صوفی اسلام کا نمائندہ سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

البرہان

میں نے صرف پہلی بات کہی تھی کہ تبلیغی جماعت اور دینی مدارس مغربی فکر وتہذیب سے

اعتناء نہیں کرتے مطلب یہ کہ یہ لوگ مغربی فکر وتہذیب پر تنقید نہیں کرتے، انہیں اپنے ہاں نہیں پڑھاتے، وغیرہ۔ مغرب انہیں کیا سمجھتا ہے؟ یہ میں نے ذکر نہیں کیا تھا۔ بہر حال جامعی صاحب کا شکریہ کہ انہوں نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا اور تبلیغی جماعت کے بارے میں اہل مغرب کے ردّعمل کا ذکر کر دیا۔ مدیر

بقیہ: افغان زرعی مسئلے پر توجہ دیں

کتنی کامیاب ہوتی ہیں لہٰذا دیہی کمیٹیاں بنیادی طور پر دینی تنظیمیں ہوں گی جن کا مرکزی کام تبلیغ اور تلقین ہوگا۔ ان میں علماء اور صوفیا کا کردار مرکزی ہوگا۔ وہ مساجد میں قائم کی جائیں گی اور لبنان کی حزب اللہ کی تنظیم کی طرح ہر انتظامی اجلاس ذکر سے شروع ہو کر ذکر ہی پر ختم کیا جائے گا۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلامی انقلاب اصلاً ایک روحانی انقلاب ہے۔ طالبان کا اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ جس جذبہ اور اخلاص سے انہوں نے بیس سال تک یہ جہاد جاری رکھا ہے پوری افغان قوم کو اس ہی جذبہ ایثار اور قربانی سے سرشار کر دے۔ صرف اسی طرح سرمایہ داری کی شیطانی روحانیت حرص اور حسد کی پرستش کو شکست دی جا سکتی ہے۔ اگر طالبان نے عوام کی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے پر توجہ مرکوز کی تو انقلاب یقیناً ناکام ہو جائے گا اور سرمایہ دارانہ معاشرت اور سیاست عود کر آئے گی۔

یونیورسٹیوں میں ہولی کا تہوار۔ سندھ حکومت کی مذمت

قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد اور لمز یونیورسٹی لاہور میں مسلم طلباء نے ہندوؤں کا مشہور تہوار ہولی منایا۔ ایک دوسرے پر رنگ پھینکے، ہلّا گلّا کیا اور ہڑ بھونگ مچائی۔ دینی حلقوں نے ہائر ایجوکیشن (HEC) کمیشن پر زور دیا کہ وہ یونیورسٹیوں میں مسلمان بچوں کے غیر اسلامی تہوار منانے پر پابندی لگائے چنانچہ HEC نے یونیورسٹیوں کو ہدایات جاری کیں جس پر وزیر تعلیم سندھ اسماعیل راہو نے اس ہدایت پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ (کراچی، این این آئی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۲۲ جون ۲۰۲۳ء/ ۳ ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ

بخدمت جناب محترم سراج الحق صاحب
امیر جماعت اسلامی، پاکستان
منصورہ، لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

راقم ان لوگوں میں سے ہے جو دینی اداروں اور جماعتوں کے محب اور خیر خواہ ہیں اور انہیں کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔

۲۰۱۳ء اور ۲۰۱۸ء کے انتخابات کے بعد بہت سے دینی مزاج رکھنے والے دانشوروں نے دینی جماعتوں اور خصوصاً جماعت اسلامی کی انتخابات میں شکست کا تجزیہ کیا اور صورتِ حال کی بہتری کے لیے تجاویز پیش کیں جن میں سے اکثر ہمارے مجلّہ 'البرہان' میں شائع ہوئیں۔ ان کا ایک ایک نسخہ آپ کے غور وفکر کے لیے ارسالِ خدمت ہے۔ ممکن ہے ان میں کام کی کوئی بات ہو اور وہ آپ کے کام آسکے۔

نیازمند، (پروفیسر ڈاکٹر محمد امین)
مدیر ماہنامہ البرہان لاہور

قارئین البرہان کی خدمت میں

اگر قارئین میں سے کوئی اس مواد کو پڑھنا چاہے تو سافٹ کاپی کے لیے اپنا واٹس ایپ نمبر بھجوائیں۔

اور اگر ہارڈ کاپی لینا چاہیں تو واٹس ایپ کے ساتھ اپنا پتا بھی لکھیں۔

البرہان: 0336-1913636 - 0300-4107282

اسلام اور پاکستان پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

۹ مئی کے بعد کا بحران۔حل کیا ہے؟

راقم السطور نہ معروف معنوں میں صحافی ہے نہ سیاستدان اور نہ کسی سیاسی جماعت کا رکن۔اس کی سوچ اور دلچسپی کا اصل میدان 'اسلام اور پاکستان' ہے اور وہ اس امر پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ پاکستان کی ترقی، کامیابی اور استحکام کا انحصار اس امر پر ہے کہ پاکستان کے مسلمان اپنی انفرادی زندگی میں اور معاشرے اور ریاست کی اجتماعی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔یہی اس دوقومی نظریے کا تقاضا بھی ہے جس کی بنیاد پر یہ ملک وجود میں آیا۔بدقسمتی سے پاکستان بننے کے بعد حکمران اشرافیہ کے سیاستدانوں اور عسکری حکمرانوں نے اس بات کو اہمیت نہ دی۔ہماری دینی قیادت بھی نہ متحد ہوئی اور نہ اس نے صحیح رُخ میں دینی، تعلیمی اور سیاسی میدان میں کام کیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج پاکستان وہاں پہنچ گیا ہے جہاں ہر دردِ دل رکھنے والا انسان اس کے مستقبل سے خائف اور پریشان ہے۔سیاسی بحران انتہائی حدوں کو چھو رہا ہے۔معاشی بحران نے دو وقت کی روٹی کو مشکل بنا دیا ہے اور اخلاقی بحران ان سب سے سوا ہے۔کیا اس کا کوئی حل ہے؟

اس کا مستقل اور پائیدار حل تو یہی ہے کہ اس ملک کی دینی، سیاسی اور عسکری قوتیں مل کر پاکستان کو ایک صحیح اسلامی معاشرہ اور ایک عظیم اسلامی ریاست بنانے پر متفق ہو جائیں اور ایک مشترکہ لائحہ عمل بنا کر عوام کی طاقت سے اسے عملی شکل دینے کی کوشش کریں۔جب تک یہ نہیں ہوتا پاکستان کے ہر صاحب شعور مسلم شہری کا فرض ہے کہ وہ دینی، سیاسی اور عسکری قیادت کو اس کام کی طرف متوجہ کرے۔اس مستقل کام کی اہمیت اپنی جگہ لیکن ملک کو موجودہ بحران سے نکالنا بھی ناگزیر ہے۔اس حل تک پہنچنے اور اسے سمجھنے کے لیے حالات کا پس منظر جاننا ضروری ہے۔

موجودہ سیاسی بحران کا پس منظر

یہ ایک حقیقت ہے گو تلخ سہی اور غلط سہی، کہ فوج (اسٹیبلشمنٹ) پاکستان کے پاور سٹرکچر میں شروع ہی سے دخیل ہو گئی تھی جب جنرل ایوب خاں نے ۱۹۵۶ء کے پہلے آئین کے تحت انتخابات سے پہلے اس وقت کی سیاسی حکومت کو برطرف کر کے مارشل لاء لگا دیا تھا،

اگرچہ یہ اس کے حلف کے بھی خلاف تھا اور اس کے پروفیشنل ازم کے بھی، کیونکہ فوج کو دفاعِ ملک کی تربیت دی جاتی ہے نہ کہ نظامِ مملکت چلانے کی۔ فوج اب بھی ملک کے نظام میں دخیل ہے اور اگر سیاسی حکومت اس کے ساتھ مفاہمت سے نہ چلے تو وہ حیلے بہانے اسے نکال باہر کرتی ہے۔ اس نے نواز شریف کو بھی نکال باہر کیا جب وہ اس کے ساتھ مفاہمت سے نہیں چلا اور عمران خان کو بھی۔ اکثر سیاسی حکمران فوج کے ساتھ مفاہمت سے ہی برسرِ اقتدار آتے ہیں اور عمران خان بھی آیا۔ جب فوج نے دیکھا کہ عمران خان ڈیلیور نہیں کر پا رہا اور آنکھیں بھی دکھاتا ہے تو اس نے اپنے آقائے ولیٔ نعمت (امریکہ) کی اشیرباد سے اور عمران خان کی مخالف سیاسی قوتوں کو ساتھ ملا کر اسے اقتدار سے نکال باہر کیا۔

اقتدار سے محرومی کے بعد عمران خان نے عوام کو ساتھ ملا کر فوج کی سیاسی مداخلت اور کرپٹ سیاسی مخالفوں کے خلاف مہم جاری رکھی۔ اس سے سیاسی عدمِ استحکام پیدا ہوا، معاشی بحران سنگین ہو گیا اور سیاسی اور فوجی گٹھ جوڑ نے عمران خان کی تحریک کو کچلنے کی کوشش بھی جاری رکھی۔ عمران خان کی گرفتاری کے وقت اس کے سیاسی کارکن جو حکومتی اور فوجی مظالم سے تنگ آئے ہوئے تھے، پھٹ پڑے اور انہوں نے فوجی تنصیبات اور اداروں کے خلاف ہنگامے کیے۔ عسکری اور سول ایجنسیوں نے پلاننگ سے ان کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ کھل کر کھیلیں اور عمران خان کی جماعت کو کچلنے کا جواز پیدا ہو جائے۔ چنانچہ وہ جواز پیدا ہو چکا۔ تحریک انصاف کی قیادت پر ظلم و ستم اور دباؤ سے ان کو جماعت چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور صحافت کو پابند سلاسل کر دیا گیا ہے تاکہ مخالف نقطۂ نظر سامنے ہی نہ آ سکے۔

سبق نہیں سیکھا

* سیاستدانوں نے حالات سے سبق نہیں سیکھا۔ وہ اپنے اقتدار کے لیے ملک کو داؤ پر لگانے اور اسلام اور پاکستان مسلم دشمن بیرونی طاقتوں سے مدد لینے پر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ بھٹو اقتدار کے لیے جنرل یحییٰ خان سے مل گئے اور ملک توڑ دیا۔ پیپلز پارٹی کے مصطفیٰ کھر نے بھارتی ٹینکوں پر بیٹھ کر آنے کی دھمکی دی۔ ایم کیو ایم نے اپنے مخالفوں کو کچلنے کے لیے ''را'' سے اپنے کارکنوں کو ٹریننگ دلوائی۔ نواز شریف نے اپنی فوج کے خلاف بھارت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی تگ و دو کی اور اب مسلم لیگ ن اور پی پی پی اقتدار کے لیے اپنے سیاسی مخالف (عمران خان) کو کچلنے کے لیے فوج کا ساتھ دے رہی ہیں۔

* اسٹیبلشمنٹ نے بھی اس سے سبق نہیں سیکھا۔ نواز شریف کے بعد عمران خان نے بھی سیاست میں فوجی مداخلت کے خلاف خوب پراپیگنڈا کیا۔ یہاں تک کہ عمران خان کی گرفتاری پر اس کے کارکن فوجی تنصیبات پر چڑھ دوڑے اور فوج کے خلاف نفرت کا بھرپور اظہار کیا لیکن فوج نے اس سے سبق نہیں سیکھا اور وہ آج بھی اپنی لے پالک سیاسی قوتوں سے مل کر عمران خان اور اس کی پارٹی کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے اور الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کو ہر صورت دبانے پر مصر ہے، ملک کا سیاسی اور معاشی نقصان ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔

* عمران خان نے بھی اس سے سبق نہیں سیکھا، نہ اس بات سے کہ وہ اپنے دورِ حکومت میں ڈیلیور نہ کر سکے، اچھی اور قابل اعتماد ٹیم نہ بنا سکے اور نہ اس بات سے کہ جب انہوں نے احتجاج کی کال دی تو عوام نے ان کی تحریک کا بھرپور ساتھ نہیں دیا۔ اگر عوام ساتھ دیتے تو ان کی تحریک کامیاب ہو جاتی کیونکہ جب عوامی تحریک اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو فوج بھی اس کو نہیں کچلتی اور کچل سکتی۔

حل کیا ہے؟

ان حالات میں بحران کا حل صرف یہ ہے کہ ملک کی بقا کے لیے فوج دانشمندی سے کام لے، عمران خان کے خلاف ذاتی اور گروہی عناد کو ملک کے وسیع تر مفاد کی خاطر پس پشت ڈال دے۔ اس سے گارنٹی لے کہ اگر وہ برسر اقتدار آیا تو فوج کے ساتھ مفاہمت سے چلے گا اور پھر وہ ملک میں منصفانہ انتخابات کرا دے۔ پھر جو بھی برسر اقتدار آئے اس کے ساتھ مفاہمت سے چلے تا کہ ملک کے سیاسی اور معاشی بحران کا خاتمہ ہو سکے۔ عمران خان کو بھی چاہیے کہ وہ فوج کے ساتھ دل سے مفاہمت کر لے کیونکہ وہ عوام کو فوج کے خلاف متحرک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا لہٰذا اس کے پاس بھی حکومت میں آنے اور حکومت چلانے کے لیے فوج کے ساتھ تعاون کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اسے سمجھ جانا چاہیے کہ جب فوج سیاسی حکومت کو بھی ساتھ ملا لے اور عدلیہ کو بھی دبا لے تو مخالف سیاسی جماعت، خواہ وہ کتنی بھی منظم اور پاپولر ہو، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا فوج سے مزید کشمکش میں ملک کا نقصان ہے، جو اسے گوارا نہیں ہونا چاہیے۔ ھذا من عندنا والعلم عند اللہ۔

اسلام اور پاکستان منصور علی خان

غلامی سے نکلنے کا راستہ

ہماری قوم کو جاہل، کاہل اور بزدل رکھنے کا ایک مذموم ایجنڈا ہے جس کے لیے پاکستان کے گماشتے حکمران دل و جان اور وفاداری سے طاغوت کے ساتھ کیے ہوئے وعدے پورے کر رہے ہیں۔

پاکستانی قوم کی منفی سوچ کو مثبت اندز میں بدلنے کے لیے اسوہ حسنہ کی بنیاد پر تربیت کرنا ناگزیر ہے جس کے لیے ملک میں تعلیم و تربیت کے مراکز کا جال بچھانا ہوگا۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لیے قوم میں غلامی سے نجات حاصل کرنے کا عزم پیدا کرنا ضروری ہے اور اس کے ساتھ گماشتوں کو بوتلوں میں بند کر کے سمندر کی نذر کرنا ہوگا۔ لیکن اگر قوم نے ہمت نہ کی تو اس کا انجام رسوائی اور تباہی ہوگا۔

میرا گمان یہ ہے کہ کوشش کے باوجود اگر اس قوم نے اپنی حالت بدلنے کا عزم اور کاوش نہ کی تو پھر یہ ذلیل و خوار ہوتی رہے گی تا وقتیکہ مہدی علیہ السلام تشریف لائیں اور اس قوم کی اصلاح کریں، واللہ عالم۔

غلام قوم سوچنے اور تخلیق کرنے (Cneativity) کی صلاحیت سے اتنی عاری ہو جاتی ہے اور اس طرح کنفیوز اور آپس میں الجھی ہوتی ہے جیسے آج پاکستانی قوم ہے۔ جو قوم اپنی منزل بھول جاتی ہے (دینِ اسلام)، جیسے آج پاکستانی قوم، تو پھر

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں

التجا ہے کہ بطور مسلمان اور بطور پاکستانی ہم اپنا اپنا ذمہ دارنہ کردار ادا کریں ورنہ ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

پھر کیا ہوگا؟

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے پاکستان والو تمہاری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اسلام اور پاکستان

غلام نبی کشافی، سرینگر

پاکستان میں اسلامی نظام کی ناکامی کا ایک اہم سبب

جماعت اسلامی سمیت کسی دینی جماعت اور ادارے کے پاس
اسلامی نظام کے قیام کا تفصیلی نقشہ موجود ہی نہیں

مَیں پاکستان کے ایک کالم نویس وجاہت مسعود کا ایک مضمون پڑھ رہا تھا۔ یہ مضمون انہوں نے 31 مارچ 2021ء کو لکھا تھا اور مضمون کا عنوان تھا ''جماعت اسلامی، جنرل ضیاء الحق اور اسلامی نظام کی ناکامی۔'' وجاہت مسعود اپنے اس مضمون میں ایک جگہ پر ایک کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ممتاز صحافی ضیاء شاہد کی کتاب "باتیں سیاست دانوں کی" حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں اسلامی نظام کے دعووں کے بارے میں ضیاء شاہد نے بہت دلچسپ انکشافات کئے ہیں۔ ایک اقتباس دیکھیے جس سے ان مخلص دوستوں کی کچھ رہنمائی ممکن ہے جو سمجھتے ہیں کہ جدید ریاست کو کسی مذہبی نظام میں ڈھالا جا سکتا ہے۔''

آگے اس کتاب سے ضیاء الحق کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ضیاالحق نے کہا مَیں مودودی صاحب کی تصانیف پڑھ چکا تھا، اور ان سے متاثر بھی تھا لیکن مجھے حیرت ہوئی جب مَیں نے بار بار جماعت کے وزراء اور پروفیسر خورشید احمد سے کہا کہ اسلامی نظام لانے کے لئے کیا اقدامات کرنے ہیں، مجھ سے ڈسکس کریں، تو وہ ہر بار یہ کہتے کہ ہمیں کچھ وقت دیں، ہم نے پورے نظام کا خاکہ بنانا شروع کر دیا ہے۔

پھر ضیاالحق ہنسے اور بولے عجیب بات ہے کہ اسلام کا نظامِ حکومت کیا ہونا چاہئے؟ اس کا کوئی بلیو پرنٹ ان کے پاس موجود ہی نہیں۔''

پھر آگے ضیاء الحق کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ضیاء الحق صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ میں نے ایک پریس کانفرنس بلائی (میں بھی اس پریس کانفرنس میں موجود تھا۔ ضیاء شاہد) جس میں یہ اعلان کر دیا کہ آج سے کوئی قانون

قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہوگا۔اگلے دن ملک بھر کے عدالتی نظام میں شور مچ گیا۔قتل کے مقدمات میں چند وکلا نے ملزموں کی سزائیں چیلنج کر دیں کہ برٹش لا جو ہمیں ورثے میں ملا، قرآن وسنت کے خلاف ہے، لہٰذا عمر قید ہو یا سزائے موت، اس قانون کے تحت قبول نہیں، کیونکہ چیف مارشل لا ایڈمینسٹریٹر کے اعلان کے بعد صورت حال بدل گئی ہے۔

بنکوں نے شور مچایا کہ ان سے قرضے لینے والوں نے فوراً درخواستیں دے دی ہیں کہ اسلام میں سود نہیں ہے، لہٰذا ہم واجب الادا اصل رقم تو دیں گے، اس پر اضافہ شدہ سود ہرگز ادا نہیں کریں گے۔شور اس قدر زیادہ تھا کہ سارا سسٹم رک گیا۔مجبوراً مجھے قانونی ماہرین کے مشورے کے مطابق اپنا بیان واپس لینا پڑا کیونکہ جماعتی وزرا اور پروفیسر خورشید احمد سے بار بار رابطے کے باوجود مجھے کسی بھی مروجہ قانون کا کوئی متبادل اسلامی حل نہ ملا۔''

مضمون نگار اس واقعہ کے بعد آگے مزید لکھتے ہیں:

''ضیاء الحق کے اس انکشاف پر بحث شروع ہوئی تو مجلس میں شامل ایک فوجی افسر نے، جن کا مَیں نام نہیں جانتا تھا، یہ کہا کہ جماعتی وزیروں سے جب شروع میں پوچھا تو وہ یہی جواب دیتے تھے کہ ہمارے سب سے بڑے محقق پروفیسر خورشید احمد صاحب ہیں۔انہوں نے برسوں تحقیق کی ہے اور وہ بہت جلد پورا سسٹم آپ کو بتا دیں گے۔پھر اس نے کہا کہ ''جناب! ان تِلوں میں تیل نہیں ہے۔ہر وزارت میں سوائے اس کے کہ فلاں ملازم بائیں بازو کا ہے، اسے نکالیں اور اس کی جگہ دائیں بازو بلکہ جماعت اسلامی کا تجویز کردہ بندہ رکھیں'' اور ان سے کچھ نہیں نکلے گا۔

آج سے پہلے مَیں نے کبھی جماعت اسلامی سے ضیاء الحق کی مایوسی کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، تاہم بعد ازاں مجھے کئی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ اپنے پہلے تاثر کے برعکس ضیاء الحق جماعتی دوستوں سے کافی نالاں تھے۔''

ان اقتباسات میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، وہ تب کی صورت حال کو ظاہر کر رہا ہے جب مولانا سید مودودی کا تازہ دم انتقال ہوا تھا کہ ان کی جماعت کے علماء خاص کر ماہر معاشیات پروفیسر خورشید احمد اسلامی نظام کا خاکہ پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔(بقیہ صفحہ نمبر:۵۵)

فقہ و قانون　　ڈاکٹر محمد مشتاق احمد

ٹرانس جینڈرز ایکٹ پر وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ
تلخیص

وفاقی شرعی عدالت 1980ء میں ایک صدارتی حکم نامے کے ذریعے وجود میں لائی گئی کیونکہ اس وقت ملک میں مارشل لا تھا اور آئین معطل تھا، تاہم بعد میں آٹھویں آئینی ترمیم کے ذریعے اسے آئینی تحفظ دیا گیا اور اب آئین کی دفعات 203A سے 203J میں اس عدالت کے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں۔ اس عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی قانون کو "قرآن وسنت میں مذکور اسلامی احکام" سے "تصادم" کی بنیاد پر کالعدم کر سکتی ہے۔ البتہ آئین، عدالتی طریقِ کار سے متعلق قوانین اور مسلم شخصی قوانین اس عدالت کے اختیارِ سماعت سے باہر ہیں۔ قوانین کے خلاف کوئی بھی شہری درخواست (شریعت پٹیشن) دائر کر سکتا ہے جبکہ عدالت ازخود بھی کسی قانون کے متعلق کارروائی کا آغاز کر سکتی ہے۔

عدالت کے فیصلے کے خلاف کوئی بھی شخص سپریم کورٹ میں اپیل کر سکتا ہے جہاں اپیل کی سماعت کے لیے خصوصی بنچ "شریعت اپیلیٹ بنچ" ہوتا ہے۔ اس بنچ میں سپریم کورٹ کے تین مسلمان ججوں کے علاوہ دو علما رکن ہوتے ہیں۔ شریعت اپیلیٹ بنچ میں اپیل دائر ہوتے ہی وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ خود بخود معطل ہو جاتا ہے جب تک اس اپیل کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

اس قانون کے خلاف پہلی درخواست مارچ 2020ء میں دائر کی گئی۔ ایک اور درخواست بھی اسی سال دائر کی گئی۔ بعد میں مزید کئی درخواستیں دائر کی گئیں (2021ء میں 4، 2022ء میں 5 اور 2023ء میں 1، کل 12 درخواستیں) جن سب کو عدالت نے سماعت کے لیے اکٹھا کیا۔ ابتدا میں سماعت تین رکنی بنچ نے کی، لیکن مئی 2022ء میں چیف جسٹس محمد نور مسکان زئی کے عہدے کی میعاد پوری ہونے کے بعد اس مقدمے کی سماعت باقی رہنے والے دو جج صاحبان نے کی۔

ستمبر 2020ء میں عدالت نے پہلی درخواست کی سماعت کی، جبکہ آخری سماعت 11 مئی 2023ء کو کی گئی اور فیصلہ 19 مئی 2023ء کو سنایا گیا۔ فیصلہ عالم جج جسٹس ڈاکٹر سید محمد انور

نے لکھا جس سے جسٹس خادم حسین نے اتفاق کیا۔ فیصلہ کل 108 صفحات پر مشتمل ہے جن میں ابتدائی 8 صفحات تمہیدی مواد پر مشتمل ہیں، پھر تقریباً 30 صفحات میں درخواست گزاروں کے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد تقریباً 25 صفحات میں مسئول علیہان اور ماہرین و معاونینِ عدالت کے دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ عدالت کی جانب سے تجزیہ 63ویں صفحات سے شروع ہوتا ہے جس کی ابتدا میں درج ذیل 4 سوالات کا تعین کیا گیا ہے:

پہلا سوال: کیا ٹرانس جینڈر کی تعریف میں مذکور 5 تراکیب (انٹرسیکس، یونک، ٹرانس جینڈر مین، ٹرانس جینڈر وومن اور خواجہ سرا) ہم معنی اور مترادف ہیں؟

دوسرا سوال: کیا کسی شخص کی بطور مرد یا عورت شناخت کے لیے جنس یا صنف قرآن و سنت میں مذکور اسلامی احکام کی روشنی میں بنیاد ہے؟

تیسرا سوال: کیا اس قانون میں "صنفی شناخت" اور "اظہارِ صنف" کی تراکیب قرآن و سنت میں مذکور اسلامی احکام کے مطابق ہیں؟

چوتھا سوال: کیا تولیدی نظام یا جنسی اعضا میں نقص کے شکار افراد کو اسلام طبی علاج کی اجازت دیتا ہے؟

ان سوالات پر تمام فریقوں کے دلائل کے تفصیلی تجزیے کے بعد عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ انٹرسیکس اور ٹرانس جینڈر دو الگ تصورات اور انواع ہیں اور انھیں ایک دوسرے کی جگہ استعمال نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ انٹرسیکس کا مسئلہ جسمانی، جبکہ ٹرانس جینڈر کا مسئلہ ذہنی ہے۔ اس کے بعد عدالت نے انٹرسیکس کے لیے طبی علاج کے شرعی جواز کی بات کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ اسلامی شریعت میں اسے خنثیٰ کہا جاتا ہے اور اس کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں جن میں ایک بنیادی حکم یہ ہے کہ خنثیٰ کی جنس کے تعین میں ابہام یا پیچیدگی ہوتی ہے جسے جسمانی علامات کی بنیاد پر یا تولیدی نظام کے تجزیے کے بعد دور کیا جا سکتا ہے اور پھر جب اس کی جنس کا تعین ہو جائے، تو پھر اس پر متعلقہ جنس (مرد یا عورت) کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے۔ یونک اور خواجہ سرا کے متعلق عدالت نے قرار دیا ہے کہ یہ ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں، ایک انگریزی میں اور ایک اردو میں۔ دونوں سے مراد وہ مرد ہیں جن کے ساتھ اخصاء (castration) کا عمل کیا گیا ہو، یعنی انھیں نامرد کیا گیا ہو، اور جنھیں عربی میں خصی کہتے ہیں۔

یہ عمل اسلامی شریعت کی رو سے قطعی طور پر ناجائز ہے، خواہ یہ کسی مرد کی مرضی سے کیا جائے۔عدالت نے اسے اللہ کی تخلیق بدلنے کے مفہوم میں شامل سمجھا ہے اوراس کے متعلق قرآن وسنت سے نصوص نقل کی ہیں۔عدالت نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ اگر یہ عمل جبراً کیا جائے، تو اس پر اتلافِ عضو کے متعلق مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعات کا اطلاق بھی ہوگا۔عدالت نے اس عمل کی اجازت کو اشد طبی ضرورت کی صورت میں ماہر ڈاکٹر کی تشخیص اور تجویز کے ساتھ مشروط کیا ہے۔نیز عدالت نے قرار دیا ہے کہ یہ نوع بھی ٹرانس جینڈر سے مختلف ہے۔عدالت نے یہ بھی واضح کیا کہ اس قانون میں چونکہ ایک جانب خواجہ سرا اور یونک کو دو انواع بنایا گیا ہے، پھر ان کو انٹر سیکس سمیت، ٹرانس جینڈر پرسنز کے ساتھ ملایا ہے، اس لیے یہاں سے ابہام پیدا ہوا ہے۔

خواجہ سرا/ یونک اور انٹرسیکس/خنثیٰ کے متعلق اسلامی احکام کی وضاحت کے بعد آخر میں عدالت نے قرار دیا ہے کہ یہ احکام ٹرانس جینڈر مین یا ٹرانس جینڈر رومن کے لیے نہیں ہیں کیونکہ ان دو انواع کی بنیاد جسم پر نہیں بلکہ ذاتی اظہارِ صنف اور صنفی شناخت کے تصورات پر ہے جن کے لیے اسلامی احکام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔عدالت نے جنس (sex) اور صنف (gender) کے درمیان فرق پر پہلے تو مختلف زبانوں کی لغات اور پھر مختلف اداروں اور افراد کی آراء کا ذکر کیا ہے اور پھر قرآن وسنت میں مذکور اسلامی احکام کی روشنی میں تجزیہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اسلام کی رو سے جنس اور صنف میں فرق نہیں ہے اور یہ کہ صنف کا جنس کے مطابق ہونا ضروری ہے۔عدالت نے متعدد آیات و احادیث کا حوالہ دے کر یہ بھی واضح کیا ہے کہ اسلام کی رو سے جنس بس دو ہی ہیں: مرد یا عورت اور یہ کہ چونکہ صنف کا انحصار جنس پر ہے، اس لیے اسلام کی رو سے اپنی مرضی سے صنف تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔اسی بنا پر عدالت نے اس قانون کی دفعہ 7 کو بھی اسلامی احکام سے متصادم قرار دیا ہے کیونکہ اس دفعہ میں وراثت میں حصوں کو بھی ذاتی اظہارِ صنف اور صنفی شناخت کی بنیاد مقرر کرنے کا اصول طے کیا گیا تھا۔اس فیصلے سے متاثرہ کوئی بھی فرد 60 دنوں کے اندر اس فیصلے کے خلاف اپیل کر سکتا ہے جبکہ حکومت کے پاس 6 مہینوں تک اپیل کرنے کی گنجائش ہے۔واضح رہے کہ اس قانون میں ترمیم کے لیے متعدد بل سینیٹ میں پہلے ہی پیش کیے گئے ہیں۔سینیٹ کی قائمہ کمیٹی نے ان ترمیمی بلوں پر اپنی رپورٹ تیار کر لی ہے اور جلد ان پر سینیٹ میں بحث اور ووٹنگ ہوگی۔

تزکیۂ نفس　　ادارہ

اللہ سے تجارت کیجیے
اور اس کی برکات ملاحظہ کیجیے

’’مجھے بھی آج تک وجہ سمجھ نہیں آئی‘‘ اس نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے دوبارہ پوچھا ’’لیکن کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی، تم کامیابی کے کسی بھی فارمولے پر پورے نہیں اترتے۔ تعلیم واجبی، عقل اوسط درجے کی، کاروباری سینس نہ ہونے کے برابر، حلیہ اور پرسنیلٹی بھی بے جان اور سونے پر سہاگا تم اپنے کاروبار کو وقت بھی نہیں دیتے۔ ہفتہ ہفتہ دفتر نہیں جاتے لیکن اس کے باوجود تمہیں کبھی نقصان نہیں ہوا۔ سیلاب میں بھی سارے شہر کے گودام پانی میں ڈوب جاتے ہیں مگر تمہارے گودام میں پانی داخل نہیں ہوتا اور اگر داخل ہو جائے تو یہ تمہارے مال کو چھوئے بغیر چپ چاپ نکل جاتا ہے۔ تم لوہا بیچنا شروع کر دو تو وہ چاندی کے برابر ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تمہارے نلکے کا پانی بھی منرل واٹر ہے۔ آخر اس کے پیچھے سائنس کیا ہے؟‘‘

میری تقریر سن کر اس نے قہقہہ لگایا اور بولا ’’میں بھی اکثر اپنے آپ سے یہ پوچھتا ہوں لیکن یقین کرو مجھے زندگی میں ایک واقعے کے سوا کوئی نیکی، اپنی کوئی صفت نظر نہیں آتی، شاید اللہ کے کرم کی یہی وجہ ہو‘‘۔ وہ رکا اور بولا ’’میں نے نویں کلاس کے بعد اسکول چھوڑ دیا تھا، میں شروع میں والد کے ساتھ فروٹ کی ریڑھی لگانے لگا، والد کا انتقال ہو گیا تو میں ایک آڑھتی کی دکان پر منشی بھرتی ہو گیا۔

زندگی بے مقصد، بے رنگ اور الجھی ہوئی تھی، دور دور تک کوئی امید نظر نہیں آتی تھی لیکن پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں ایک دن اپنے ایک دوست کی کریانے کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا، وہاں درمیانی عمر کی ایک خاتون آئی، اسے دیکھتے ہی میرا دوست اس کے ساتھ بدتمیزی کرنے لگا، وہ اس سے پرانے پیسے مانگ رہا تھا جب کہ وہ مزید سودے کے لیے منتیں کر رہی تھی۔

عورت مجبور دکھائی دے رہی تھی جب کہ میرا دوست اس کے ساتھ غیر ضروری حد تک بدتمیزی کر رہا تھا، میں ان کی تکرار سنتا رہا، خاتون جب مایوس ہو کر چلی گئی تو میں نے اپنے

دوست سے ماجرا پوچھا۔اس کا جواب تھا، یہ بیوہ ہے،اس کا خاوند سعودی عرب میں کام کرتا تھا، خاندان خوش حال تھا لیکن پھر خاوند روڈ ایکسیڈنٹ میں فوت ہوگیا اور اس کی زمین جائیداد پر اس کے دیوروں نے قبضہ کرلیا۔

اس کے پاس اب چھوٹے سے گھر کے علاوہ کچھ نہیں، دو بچیاں ہیں، وہ اسکول جاتی ہیں، یہ اَن پڑھ اور بے ہنر عورت ہے،اس کا ذریعہ روزگار کوئی نہیں۔سعودی عرب سے دو چار ماہ بعد خاوند کی تھوڑی سی پنشن آجاتی تھی اور یہ اس میں گزارہ کرلیتی تھی مگر اب وہ بھی رک گئی ہے۔میرے والد صاحب اسے ادھار راشن دے دیتے تھے لیکن وہ بھی اب تھک گئے ہیں۔ لہٰذا میں جب بھی اسے دیکھتا ہوں تو میں اس سے اپنے پیسے مانگ لیتا ہوں۔ یہ ہمارا روز کا تماشا ہے،تم چھوڑو، یہ بتاؤ تم آج کل کیا کررہے ہو؟،،وہ رکا اور ہنس کر بولا۔

یہ ایک عام سی کہانی تھی، ایسے کردار ہر شہر، ہر قصبے میں کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔آپ کسی کریانہ اسٹور پر چلے جائیں، آپ کو ایسے بیسیوں لوگ مل جائیں گے مگر پتا نہیں مجھے کیا ہوا؟ میں نے اپنے دوست سے اس کا پتا لیا،اس کے خاوند کا نام پوچھا، بازار گیا، دو ہفتوں کے لیے کھانے پینے کا سامان خریدا، بوری بنائی اور جا کر اس کے دروازے پر دستک دی۔ وہ اپنی چادر سنبھالتے ہوئے باہر آگئی۔ پانچ ،سات سال کی دو بچیاں بھی اس کے ساتھ آکر کھڑی ہوگئیں۔ میں نے سودا ان کی دہلیز پر رکھا اور ادب سے عرض کیا: میرے والد ارشد صاحب مرحوم کے دوست تھے۔انہوں نے آپ کے خاوند سے کچھ رقم ادھار لی تھی، وہ مجھے قرض کی ادائیگی کا حکم دے گئے ہیں۔میرے حالات سرِدست اچھے نہیں ہیں اور مَیں یہ رقم یک مشت ادا نہیں کرسکتا۔میری تنخواہ کم ہے، آپ اگر مجھے اجازت دیں تو میں آپ کو پندرہ دن بعد گھر کا سودا دے دیا کروں گا۔اس سے میرا قرض بھی اتر جائے گا اور آپ کے گھر کا نظام بھی چلتا رہے گا۔وہ عورت اور اس کی بچیاں حیرت سے میری طرف دیکھنے لگیں۔مَیں نے انہیں سلام کیا اور واپس آگیا۔مَیں اس کے بعد انھیں ہر پندرہ دن بعد راشن پہنچانے لگا۔'' وہ خاموش ہوگیا۔

مَیں نے اس سے پوچھا''تم خود غریب تھے،تو تم ان کے راشن کے لیے رقم کہاں سے لاتے تھے؟''اس نے قہقہہ لگایا اور بولا''تم شاید یقین نہیں کروگے کہ مَیں نے اپنی جیب سے

صرف وہی سودا خریدا تھا، جو پہلی دفعہ خریدا تھا۔ پندرہ دن بعد ان کا سودا فری ہو چکا تھا،، وہ خاموش ہوگیا، مَیں نے پوچھا''کیسے؟'' وہ بولا''مَیں اگلے دن دکان پر گیا تو میرے مالک نے مجھے مشورہ دیا، ہماری دکان کا تھڑا خالی ہوتا ہے۔ تمہارا کام شام کے وقت اسٹارٹ ہوتا ہے اور وہ بھی تم گھنٹے میں ختم کر دیتے ہو اور سارا دن فارغ بیٹھے رہتے ہو۔ مَیں تمہیں چاول اور دالیں دے دیتا ہوں، تم یہ تھڑے پر رکھو اور پانچ پانچ، دس دس کلو بیچ دو، تمہیں اس سے فائدہ ہو جائے گا۔ غلہ منڈی میں تھوک کا کام ہوتا تھا، ہمارے پاس پانچ دس کلو کے بے شمار خریدار آتے تھے لیکن ہم ان سے معذرت کر لیتے تھے۔

مجھے یہ آئیڈیا اچھا لگا۔ مَیں اپنے مالک سے دالیں، چاول اور چینی خریدتا تھا۔ ان کے پانچ پانچ اور دس دس کلو کے پیکٹ بناتا تھا اور کھڑے کھڑے بیچ دیتا تھا۔ آپ یقین کریں دو ہفتوں میں میری آمدنی چار پانچ گنا بڑھ گئی اور مَیں پندرہ دن بعد جب اس بیوہ کے گھر گیا تو میرے پاس سودا بھی ڈبل تھا اور میری جیب بھی ٹھیک ٹھاک بھاری تھی۔ مَیں نے ایک ماہ بعد اسے بچیوں کی فیس، کپڑوں اور جوتوں کے لیے بھی رقم دینا شروع کر دی۔ اللہ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مَیں دو سال بعد اس دکان کا مالک تھا جس پر مَیں منشی ہوتا تھا۔ وہ دکان بعد ازاں پورے کمپلیکس میں تبدیل ہوگئی اور مَیں دکان دار سے سیٹھ بن گیا۔

مَیں منڈیوں میں اجناس سپلائی کرنے لگا اور آج مَیں تمہارے سامنے ہوں۔ مجھے کبھی نقصان نہیں ہوا۔ کیوں نہیں ہوا؟ شاید اس کی وجہ وہ عورت اور اس کی دو بچیاں تھیں، وہ بچیاں بڑی ہوئیں۔ ایک ایم بی بی ایس کر کے ڈاکٹر بن گئی، دوسری نے بی اے کے بعد بیوٹی پارلر بنا لیا۔ وہ اب چودہ پندرہ سیلون چلا رہی ہے جب کہ آنٹی ایک یتیم خانہ اور بیوہ گھر چلا رہی ہیں''۔ وہ ایک بار پھر رک گیا۔ مَیں نے اس سے پوچھا''تم نے اس کے بعد کیا کیا؟'' وہ ہنس کر بولا''مجھے نیکی کا چسکا پڑ گیا، مَیں نے اس کے بعد اس جیسے گھرانوں کو راشن دینا اور فیملیز کی مدد کرنا شروع کر دیا۔

مَیں پہلے اپنی کمائی کا دس فیصد اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا اور یہ اب آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے 60 فیصد ہو چکا ہے۔ میرے منافع کا 60 فیصد اللہ کی راہ پر خرچ ہوتا ہے، مَیں اپنی

ذات کے لیے صرف 40 فیصد رکھتا ہوں لیکن یہ 40 فیصد بھی بے انتہا ہے۔

مَیں روز صبح اٹھتا ہوں اور آنٹی کو دعا دیتا ہوں۔ وہ اگر اس دن میری زندگی میں نہ آتیں تو مَیں شاید آج بھی کسی دکان پر منشی ہوتا اور سات آٹھ ہزار روپے تنخواہ لے رہا ہوتا، وہ آئی اور اس نے مجھے اس راستے پر ڈال دیا جس پر کامیابی اور خوش حالی کے پُل ہیں' وہ خاموش ہو گیا۔

مجھے یقین ہے آپ کو یہ کہانی فرضی لگے گی اور آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ میرے پاس اس قسم کی کہانیاں گھڑنے کے علاوہ کوئی کام نہیں۔ لیکن آپ یقین کریں یہ کہانی سو فیصد سچی ہے۔ اور یہ صرف ایک کہانی نہیں ہے' دنیا میں ایسی لاکھوں کروڑوں مثالیں موجود ہیں۔ مَیں اپنے ملک میں ایسے درجنوں لوگوں کو جانتا ہوں جنھوں نے اللہ سے تجارت کی اور یہ خود بھی ارب پتی ہو گئے اور ان کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کے لیے بھی زندگی آسان ہو گئی۔

آپ کو اگر یقین نہ آئے تو آپ بھی زندگی میں ایک بار ایسا کر کے دیکھ لیں۔ آپ اٹھیں اور کسی بیوہ، کسی یتیم کا ہاتھ پکڑ لیں، آپ کسی طالب علم کی تعلیم کا خرچہ اٹھا لیں اور آپ اس کے بعد اللہ کا کرم دیکھیں۔ آپ کو اگر اس کے بعد خوشحالی، مسرت اور کامیابی نصیب نہ ہو تو آپ اپنا نقصان مجھ سے وصول کر لیجیے گا۔ آپ یقین کریں دنیا میں صرف ایک ہی تجارت ہے اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے۔

دنیا میں صرف ایک اسٹاک ایکسچینج ہے جس کا کاروبار کبھی بند نہیں ہوتا، جو کبھی مندے کا شکار نہیں ہوتی، جو کبھی کریش نہیں ہوتی اور وہ ہے اللہ کی اسٹاک ایکسچینج۔ لہٰذا میرا آپ کو مشورہ ہے آپ ایک بار اس اسٹاک ایکسچینج میں کھاتا کھول کر دیکھیں، آپ کو تجارت کا مزہ آ جائے گا۔

مسلمانوں پر مظالم۔ بھارت ٹوٹ جائے گا

سابق امریکی صدر بارک اوباما نے کہا ہے کہ اگر بھارت میں مودی نے مسلمان اقلیت پر ظلم و ستم جاری رکھا تو بالآخر بھارت ٹوٹ جائے گا۔ انہوں نے صدر جو بائڈن سے مطالبہ کیا کہ وہ بھارتی وزیر اعظم مودی سے ملاقات میں ان پر مسلم اقلیت پر مظالم کے حوالے سے بات کریں۔ (اے ایف پی، واشنگٹن)

عالم اسلام/افغانستان

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

افغان زرعی مسئلے پر توجہ دیں

زراعت کا شعبہ افغان معیشت میں سب سے اہم ہے اور دیہی علاقوں میں انقلابی حکومت کی حمایت سب سے زیادہ ہے۔ زراعت کی اہمیت اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ خوراک کی پیداوار کا ذریعہ بھی ہے اور ملازمتوں کی فراہمی کا ذریعہ بھی۔ سامراج افغانستان میں خوراک کا بحران پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا انقلابی حکومت کو زرعی شعبہ پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

دیہی علاقہ قبائلی معاشرت اور معیشت کا دل ہیں۔ ہر دیہی بستی میں ایسی تنظیم سازی کی ضرورت ہے جو عام کاشت کار کو ریاستی نظام اقتدار کا حصہ بنا دے اور اس کے دل میں یہ احساس پیدا کر دے کہ اسلامی حکومت اس کی اپنی حکومت ہے۔

دیہی کمیٹیاں زرعی شعبہ کے انتظام کی بنیادی ذمہ دار بنائی جائیں۔ انقلاب کے ابتدائی دور میں معیشت کا سب سے اہم ہدف تشفی بخش انداز میں خوراک کی فراہمی ہے۔ سامراج کی بھرپور کوشش ہوگی کہ افغانستان میں غذائی بحران پیدا کرے اور میڈیا مستقل یہ پروپیگنڈا کرتا رہے گا کہ افغان عوام بھوکے مر رہے ہیں۔ یہ ایک آزمودہ سامراجی چال ہے جو انقلاب کے ابتدائی دور میں استعماری روس، چین، وینزویلا، کیوبا ہر جگہ آزماتے رہے ہیں اور اپنی پیہم ناکامیوں کے باوجود اب بھی اس سے مایوس نہیں ہوئے۔

افغانستان میں غذائی بحران پیدا کرنے کی سامراجی کوششیں شروع ہو چکی ہیں اور آئی ایم ایف اور امریکی دہشت گردوں نے افغانستان کے بیرونی مالیاتی اثاثوں پر قبضہ جمالیا ہے تاکہ افغانستان اجناس درآمد نہ کر سکے۔ ملک میں اور بالخصوص دیہی علاقوں میں اس بات کی مستقل تشہیر کرنے کی ضرورت ہے کہ سامراج افغانستان میں غذائی بحران پیدا کر کے اسلامی نظام کو تباہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا ہر کسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس مذموم سامراجی چال کو ناکام بنانے کی ذمہ داری قبول کرے۔

ملکی سطح پر اجناس کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے حکومت کو اجناس کے پیداواری اور ترسیلی نظام پر کنٹرول قائم کرنا ہوگا۔ اس کنٹرول کا ذریعہ دیہی اور قبائلی کمیٹیاں ہوں گی جو کسانوں پر مشتمل ہوں گی اور پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ ان کمیٹیوں کے کام کو مربوط کرنے کے لیے مرکز اور صوبوں میں "رسدی کمیشن" تشکیل کیے جائیں جو وزارت زراعت کے ماتحت کام کریں گے۔

رسدی کمیشن، دیہی کمیٹیوں سے مشاورت کی بنیاد پر یہ اندازہ لگائے گا کہ ہر علاقہ میں اجناس کی پیداوار کتنی ہے اور اس میں کتنے فیصد علاقہ کی خوراک کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہے۔ جو پیداوار اس سے زیادہ ہوگی رسدی کمیشن اسے شہروں میں ترسیل اور تقسیم کا بندوبست کرے گی۔

علاقائی ضروریات سے زیادہ پیداوار دو حصوں میں تقسیم کی جائے گی۔ ایک وہ حصہ جو کھلے بازاروں میں فروخت کیا جائے گا دوسرا وہ حصہ جو حکومت کو ٹیکس کے طور پر اجناس کی شکل میں دیا جائے گا تاکہ مرکزی اور صوبائی سطح پر اجناس کے ذخائر موجود رہیں۔

کسانوں کو اس بات کی ترغیب دلائی جائے گی کہ وہ اجناس کی بوائی کے علاقہ میں مستقل توسیع کرتے رہیں اور اپنی آمدنی اور دولت منجمد بینکوں میں رکھنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ پیداواری سکت بڑھانے کے لیے استعمال کریں۔ اس کے لیے دیہی علاقوں میں ایسے مشترکہ مراکز بھی قائم کیے جا سکتے ہیں جہاں کسان زرعی پیداوار کے بدل میں صنعتی اشیا (کپڑے، ریڈیو، مشینری، کھاد) حاصل کر سکتے ہیں۔

افراطِ زر سے بچنے کے لیے کوشش کی جائے کہ زرعی کاروبار کا خاصہ حصہ اشیا کے براہ راست تبادلے (Barter) کے ذریعہ ہو اور زر کا استعمال محدود رہے۔ رسدی کمیشن کی یہ بھی ذمہ داری ہوگی کہ زرعی اور چند مصنوعات کا شرح تبادلہ متعین کرے۔

اس نظام کی کامیاب کارفرمائی کا پورے کا پورا انحصار اس امر پر ہے کہ دیہی کمیٹیاں عام کسانوں میں للّٰہیت اور جذبۂ ایثار و قربانی پیدا کرنے اور ان کو اس بات کا احساس دلانے میں کہ اسلامی انقلابی نظام کا دفاع ان کی دینی ذمہ داری ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۳۳)

البرہان کی ڈاک/مکالمہ ادارہ

البرہان کے نام

موضوع: اسلام کے اجتماعی اداروں کی تشکیل وتدوینِ نو

پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ (کندھ کوٹ۔سندھ)

اس ماہ البرہان اور امت کو درپیش دو چیلنجز والے کتابچے کے ذریعے دو اہم فکری تحریریں پڑھنے کا موقع ملا جو آپ کی قومی وملی محبت کا ثبوت ہیں۔البرہان جون کے اداریے ''اسلام کے اجتماعی اداروں کی تشکیل وتدوینِ نو'' میں آپ نے امت کے بعض مفکرین کے پیش کردہ حل پر بھی تنقید فرمائی ہے۔اس سلسلہ میں صحیح بنیادوں پر کام کرنے کے لیے اہل علم ودانش کو متوجہ فرمایا ہے اور خود بھی اس سلسلہ میں پیش رفت کرنے کی پیشگی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

آپ نے اپنے کتابچہ ''امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز اور ان کا حل'' میں زوالِ امت کے اسباب کے سلسلہ میں پہلا بڑا سبب قرآن وحدیث پر عمل سے اعراض اور دوسرا سبب مغربی الحادی فکر کو روکنے کے لیے سد باب میں غفلت قرار دیا ہے۔اس سلسلہ میں آپ نے بعض مسلم مفکرین کے حل کو ناقص قرار دیا ہے۔اس سلسلہ میں آپ نے بعض صحیح الفکر علماء کرام کے عدم اعتناء کو ایک بڑا سبب قرار دیا ہے۔

اس سلسلہ میں چند سوالات ذہن میں پیدا ہوئے جو پیش خدمت ہیں:

۱۔ آپ نے اہل علم ودانش کو بلا کر ان سے کام لینے کا جو عزم ظاہر فرمایا ہے کیا آپ کی صحت،عمر اور علمی مصروفیات آپ کو یہ اجازت دیں گی؟ پھر میرے علم میں ہے کہ آپ اس نوع کی علماء کی ایک مجلس کے پہلے سے سیکرٹری جنرل ہیں۔سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں اس مجلس نے اب تک کتنا کام کیا ہے؟

۲۔ پاکستان کے علماء کرام جن سے آپ امیدیں وابستہ کرسکتے ہیں وہ تو مسلکی فرقوں اور سیاسی جماعتوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ان کے لیے آپ کا مجوزہ منصوبہ کتنا باعث کشش اور اہم ثابت ہوگا؟

۳۔ آپ کے اس مقالہ کی اشاعت کے بعد کیا اہل علم ودانش نے آپ سے رابطہ کیا

یا اپنے تاثرات سے آگاہ کیا؟ اگر کیا ہے تو ان کی نوعیت کیا ہے؟

البرہان

۱۔ سارے مکاتب فکر کے علماء کی جو مجلس (ملی مجلس شرعی)۔ اس وقت کام کر رہی ہے اس کے پیش نظر صرف فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینا اور عصری مسائل پر دینی حوالے سے اپنی رائے پیش کرنا ہے۔ جب بھی کوئی دینی مسئلہ درپیش ہو وہ اس کے بارے میں رائے دے دیتی ہے۔ اس کے پیش نظر کوئی مستقل علمی تحقیقی کام نہیں۔ نہ اس کے پاس مالی وسائل ہیں، نہ دفتر، نہ کل وقتی یا جزءوقتی محققین اور نہ ملازمین۔

۲۔ میں نے جس کام کی تجویز دی ہے وہ ایک بڑا کام ہے۔ ایک ریسرچ اکیڈمی اور ادارے کا کام ہے جس میں ہر شعبے کے متخصصین و ماہرین شامل ہیں۔ اس کا دفتر ہو، لائبریری ہو، کل وقتی اور جزءوقتی ریسرچر ہوں۔ کمپوزر ہوں، طباعت کا انتظام ہو وغیرہ۔ ان میں روایتی علماء کا کردار کم ہوگا۔

۳۔ ہم سوئے ہوئے لوگ ہیں۔ ایسی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔ صرف پشاور سے ایک مہربان دوست پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق صاحب نے پوچھا کہ یہ کام کیسے ہوگا؟ میں نے انہیں مندرجہ ذیل تفصیلات بھجوائیں اور کہا کہ آپ کے پاس کچھ وسائل بھی ہیں لہٰذا آپ اس کام کا بیڑا اٹھائیں:

مجوزہ پراجیکٹ کی فیزبیلٹی

۱۔ راقم کے ذہن میں اس کا خاکہ ایک بڑے ریسرچ سنٹر کا ہے جو بہتر ہے کہ کسی ایسی پبلک یا پرائیویٹ سیکٹر یونیورسٹی کا حصہ ہو جس میں اسلامی اور عمرانی علوم کی تدریس و تحقیق کا انتظام ہو جو اس کو Host کر سکے اور جس کے پاس فنڈز بھی موجود ہوں جیسے پنجاب یونیورسٹی کا 'اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام' یا بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا 'ادارہ تحقیقاتِ اسلامی'۔ ہمارے ہاں کی پرائیویٹ یونیورسٹیاں بدقسمتی سے دولت کمانے کی مشین یا صنعت بن کر رہ گئی ہیں تاہم اگر اہل علم وفکر کا ایک بھاری بھر وفد اگر اسلامی ذہن رکھنے والے کسی پرائیویٹ یونیورسٹی مالک سے ملے اور اسے اس طرح کے ادارے کے قیام کا مشورہ دے تو شاید کسی کو اس کام کی توفیق مل جائے۔ یا پھر ایک قومی سطح کا انڈومنٹ قائم کیا جائے جس کی

اپیلملک کے نامور سکالرز، ماہرین اور علماء مل کر کریں، حکومت بھی اس کی سالانہ گرانٹ مقرر کرے تو اس قسم کا ادارہ چل سکتا ہے۔ راقم ۱۹۸۹ء میں اسلامی سکالرز کے ایک وفد کے رکن کے طور پر جب امریکہ گیا تو وہ یہ جان کر حیران رہ گیا کہ شیکاگو یونیورسٹی جیسا وسیع وعریض ادارہ ایک پرائیویٹ یونیورسٹی ہے جو Endowments کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ اسی طرح ایران میں جس انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی تدوین پر کام ہو رہا ہے، اس میں محققین کی تعداد ایک سو کے قریب ہے اور ملک کا نائب صدر اس کا سربراہ ہے جو باقاعدگی سے وہاں بیٹھتا ہے۔

۲۔ مجوزہ ادارے کی ایک ضرورت یہ ہے کہ اس کے پاس ایک بڑی لائبریری ہو جس میں متعلقہ موضوعات پر نہ صرف پاکستان بھر سے بلکہ سارے عالم اسلام اور ساری دنیا سے کتابیں اور جرائد منگوائے جائیں تاکہ متعلقہ موضوعات پر جتنا تحقیقی کام ہو چکا ہے وہ سب مقامی سکالرز کو مہیا ہو سکے۔

۳۔ یہ کام کرنے سے زیادہ کرانے کا ہے۔ ہر موضوع سے متعلق متخصصین، ماہرین، سکالرز، علماء کو، ظاہر ہے، ایک ادارے میں اکٹھا نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کے علم ومہارت سے استفادہ ضروری ہے مثلاً اسلام کے معاشی نظام پر کام کرنا ہو تو کراچی سے ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری، مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی منیب الرحمٰن اسلام آباد سے ڈاکٹر اسعد زمان، لاہور سے مولانا ذوالفقار صاحب سے استفادہ کیے بغیر چارہ نہیں۔ سعودی عرب، مصر، ترکی، ملائشیا وغیرہ کے اہل علم کے کام کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ مجوزہ تحقیقی ادارے کا ایک وسیع تر مشاورتی بورڈ ہونا چاہیے جس میں متنوع مہارتیں اور تخصصات رکھنے والے نامور علماء اور معروف سکالرز موجود ہوں جن کا اجلاس ہر چھ ماہ یا سال بعد ہو جو اس کام کی اصولی بنیادیں طے کریں اور اس کے علمی معیار کی نگرانی کریں۔ محققین کی ایک ٹیم ہونی چاہیے جس کا سربراہ ایک ڈائریکٹر ریسرچ ہو۔ ایک مختصر گورننگ باڈی/ بورڈ آف گورنرز ہونا چاہیے۔ اس کا ایک سیریز ایڈیٹر بھی ہونا چاہیے۔ اگر بنیادی کام اردو میں ہو تو ساتھ ساتھ اس کے انگریزی اور عربی ترجمے کے لیے مترجمین/لینگویج ایڈیٹرز ہونے چاہئیں۔

۵۔ اگر زیادہ مالی اور افرادی وسائل میسر نہ ہوں اور کوئی علمی ادارہ یہ کام اپنی سکت یا

اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کرنا چاہے تو بھی کام ہو سکتا ہے لیکن اس کا معیاری ہونا اور لوگوں اور حکومتوں کے لیے قابل قبول ہونا معرضِ خطر میں ہوگا۔

ہمارے ہاں حکومتوں اور دینی جماعتوں کو اس کام سے دلچسپی نہیں۔ معاشرے کے اہل ثروت روایتی دینی کاموں اور ہسپتالوں وغیرہ میں تو پیسہ خوب خرچ کرتے ہیں لیکن جدید تعلیم وتحقیق (اسلامی یونیورسٹی، اسلامی تحقیقاتی اداروں) کے کام کو وہ شاید دینی کام ہی نہیں سمجھتے لہٰذا اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔

پرائیویٹ پبلک پارٹنرشپ پر بھی غور کیا جاسکتا ہے مثلاً پنجاب یونیورسٹی میں ایک ادارہ ہے 'تالیف وترجمہ' جس کے پاس بلڈنگ بھی ہے، لائبریری بھی، فنڈز بھی لیکن برسوں سے وہاں کوئی خاص کام نہیں ہو رہا۔ (یہی حال ''ادارہ ثقافت اسلامیہ'' کا ہے)۔ اگر کوئی صاحبِ حیثیت ادارہ یا بھاری بھر وفد یونیورسٹی انتظامیہ سے بات کرے تو باہمی طور پر طے شدہ تحقیقی پراجیکٹس پر کام کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ اس ادارے کے نام کے بارے میں بعض تجاویز:

- ادارۂ تحقیق برائے اسلام وعصری مسائل

(Research Center for Islam and Contemporary Issues)

- اکیڈمی برائے النظم الاسلامیہ (تشکیل اسلامی نظام)

(Academy for Developing Islamic Systems)

- مرکز تحقیق برائے اسلامی علوم کی تشکیل نو

(Research Center for Reconstruction of Islamic Knowledge)

- اکیڈمی برائے اسلامی نشأۃ ثانیہ (The Resurgence Academy)

ان کے جواب سے میں یہ سمجھا کہ شاید وہ اتنے بڑے کام میں ہاتھ ڈالنے سے ہچکچا رہے ہیں تو میں نے انہیں لکھا کہ اگرچہ ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں لیکن اگر وہ ساتھ دیں تو میں لاہور میں اس کام کو چھوٹے پیمانے پر کرتے ہوئے اس کی نگرانی کے لیے تیار ہوں۔

اللہ کرے کہ اس اہم کام کے کرنے کی کوئی صورت بن جائے۔ واللہ المستعان

تبصرۂ کتب ادارہ

'سرسیّد احمد خان - تاریخ کی میزان میں'

از شاہنواز فاروقی

تاریخی حقائق پر مبنی سرسیّد کی مذہبی، فکری اور تہذیبی گمراہیوں کا علمی جائزہ

اِس کتاب میں ۲۷ بڑے موضوعات یا ۲۷ جہات سے سرسید کی فکر اور شخصیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب میں سرسید کے حوالے سے جو بات بھی کہی گئی ہے اس کا مستند حوالہ پیش کیا گیا ہے اور کوئی بھی رائے دلیل کے بغیر قائم نہیں کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرسید کی فکر اور شخصیت کا پہاڑ دیکھتے ہی دیکھتے رائی میں ڈھل گیا۔ اس اعتبار سے یہ کتاب خُود مصنف کے لیے ایک انکشاف کی حیثیت رکھتی ہے۔

کالموں کی اشاعت کے دوران کچھ لوگوں نے شکایت کی کہ کالموں میں سرسیّد کے خلاف قدرے سخت زبان استعمال کی گئی ہے۔ لکھنے والے کی مشکل یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کو حق، باطل کو باطل، قتل کو قتل، گمراہی کو گمراہی لکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ لکھنے والا ایسا نہیں کرے گا تو اپنے علم، اپنے شعور، اپنے ضمیر، اپنے مذہب، اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ سے ناانصافی کرے گا۔

ہماری نظر سے آج تک کوئی ایسی تحریر یا تقریر نہیں گزری جس میں سرسیّد کے پرستاروں اور پجاریوں نے اس بات پر سرسیّد کی مذمت کی ہو کہ اُنہوں نے قُرآن کے حقائق کو کیوں تسلیم نہیں کیا۔ علم حدیث کو کیوں مسترد کیا۔ اجماع کا انکار کیوں کیا۔ غُلامی کو اللہ تعالٰی کی رحمت کیوں بتایا۔ جنگ آزادی لڑنے والوں کو حرام زادے کیوں قرار دیا؟

سرسیّد محض ایک فرد ہوتے اور ان کا برصغیر کے مسلم معاشرے پر کوئی اثر نہ ہوتا تو سرسیّد کی فکر اور شخصیت پر گفتگو کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ لاکھوں کروڑوں لوگ محض لاعلمی یا شخصیت پرستی کی وجہ سے ان سے متاثر ہیں۔ چنانچہ سرسیّد کی شخصیت اور فکر کی اصل کو سامنے لانا نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ یہ مذہب، تہذیب اور تاریخ کا ایک بہت ہی بڑا تقاضا ہے۔

برصغیر کا مسلم معاشرہ سرسیّد کی شخصیت اور فکر سے آزاد نہیں ہوگا تو وہ کبھی روحانی، علمی، تہذیبی اور تاریخی اعتبار سے بالغ نہیں ہوگا اور غلامی کی نفسیات سے اسے کبھی نجات حاصل نہیں

ہوسکتی۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو سرسیّد کے خلاف فکری جہاد، روحانی،علمی،فکری،نفسیاتی اور جذباتی آزادی کی جدوجہد ہے۔ یہ کتاب چندلوگوں کو بھی یہ آزادی مہیا کرسکی تو کتاب کو لکھنے کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

آخری عمر میں جب سرسیّد کے فرزند سیّد محمود نے باپ کو گھر کے نکال کر باہر کیا تو یہ ایک اذیت ناک منظر تھا...سیّد محمود کی شخصیت یعنی جدید تعلیمی نظام سے پیدا ہونے والی شیطنت کو سمجھنا ہوتو بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب کا یہ تبصرہ ملاحظہ کر لیجیے۔لکھتے ہیں؟

"سرسید کی زندگی کے آخری ایام انتہا درجے کی تلخی اور کرب والم میں گزرے۔ پہلا صدمہ کالج کے روپے کے غبن کا ہوا اور دوسرا اس سے بڑھ کر سیّد محمود کا۔کثرتِ شراب نوشی نے سیّد محمود کا دماغ مختل کر دیا تھا اور وہ عالم دیوانگی میں ایسی حرکات کر بیٹھتے تھے جو کسی عنوان قابل برداشت نہیں ہوسکتی تھیں۔"(سرسید احمد خاں-حالات وافکار ص:۸۵)

۲۲۰ صفحات کی اس کتاب کو ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ قیمت ۴۰۰ روپے۔برائے رابطہ:042-37428307

بقیہ: پاکستان میں اسلامی نظام کی ناکامی کا ایک اہم سبب

اور آج تک وہ اس میدان میں ناکام ہی نظر آرہی ہے یہاں تک کہ آج جماعت اسلامی پاکستان مکمل طور پر ایک سیاسی جماعت بن رہ گئی ہے۔وہ بھی اب نون لیگ،پیپلز پارٹی اور پی ٹی آئی کی طرح سیاسی دنگل میں کودتے ہوئے اسلامی نظام کے قیام کے خیالی خواب دیکھ رہی ہے۔

جماعت اسلامی کے زعماء سابق وزیراعظم عمران خان سے تین سالہ دورحکومت میں 'ریاستِ مدینہ' کے نظریہ کے حوالے سے مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ کہاں ہے ریاستِ مدینہ؟ لیکن خود پچھلے ۷۵ سال سے سیاست کرنے کے باوجود ملک میں صفر کے درجے میں بھی مثبت تبدیلی لانے اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے کسی طرح کی کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔حقیقت یہ ہے کہ 1947ء کے پاکستان کے مقابلے میں آج کا آدھا پاکستان انتہائی بدترین سیاسی عدم استحکام، معاشی بدحالی،انسانی حقوق کی پامالی اور لاقانونیت کا شکار ہے اور المیہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی جہاں پہلے دن سے کھڑی تھی،آج بھی وہ اسی جگہ پر اپنی ناکام تاریخ کے ساتھ کھڑی ہے۔

Jihadi economy is to be made functional. Significant progress has been made in this regard and tax and non-tax revenue collected during 2021-23 significantly exceeds revenue collected during 2017-2020 by the *Ghaddar* regime – a principal source has been import taxes, legitimated on the basis of the example set by *Syedina* Umer bin Khattab (RA). In present circumstances it seems necessary to incorporate tax as a cost of production in commodity prices.

It is evident that this is *khilaf-e-oola* – the Prophet صلی اللہ علیہ وسلم did not do so in Madina (as Mr. Munir Ahmad points out) and refrained from setting prices. But Afghanistan is an exceptional Islamic state, surrounded by a global *Dar-al-Harb* and the threat of monopolization of both agricultural and manufacturer markets. Ulema must, therefore investigate whether it is permissible/allowed on the basis of *Usu-al-Fiqh* to incorporate tax as a cost of production in prices. We may note that in the twelve hundred years of our Khilafat period the role of the muhtasib was to routinely fix maximum and minimum prices in all commodity markets and as Mr. Munir Ahmad has pointed out it was a common practice in the time of the *Usmania Khilafat* to enforce a general rate of profit to be included in all commodity prices.

As Islamic revolutionaries we are opposed to any attempt to reform capitalism – we seek its elimination. Attempts at promoting capitalist justice lead merely to a subsumption of the Islamic life world within capitalist order. There is scope for the consolidation of an anti-capitalist order by promoting *Musharka* and *Modarba* contracts among businesses that are outside the financial economy and have no interaction with the money and capital markets. Mr. Munir Ahmad advocates this somewhat obliquely in chapter 13 of his book.

propagating capitalist values and delegitimating Islamic values of *Qana'at, Sabr, Infaq* and *Tawakkul* Furthermore the current imperialist strategy is to bypass the Islamic government and to directly approach the Afghan masses through market structures and transactions and thus continue to corrupt them. Market and price formation processes cannot be left unregulated in present circumstances – this amounts to signing the death knell of the Islamic revolution.

We recognize – as Mr. Munir Ahmad has repeatedly stressed – that the Islamic ideal is the institutionalization of genuinely free markets. This must be associated with the spread of Islamic values – *Sabr, Qana'at, Infaq, Tawakul* – in society. To achieve such value transformation the rule of the markets in setting limits to price formation ensuring fair trade and promoting Islamic virtues and behavior is essential. We propose that the ulema elaborate the use of state mechanisms on the basis of *Usu-al-Fiqh* taking account of the current monopolization of market structures and price formation processes.

Price regulation is a part of the planning process which is essential for governing the market. Today comprehensive planning covering most sectors of the economy and covering consumption, distribution and investment is necessary. However we propose that as the economy becomes nationally self-sufficient and as the values of the masses are transformed – they regard *Ma'ash* as a means for earning *falah* in *Ma'ad* – the scope of planning is reduced and the system moves gradually towards the Islamic ideal.

Afghanistan is potentially a rich country but at present its accesable resources are very limited. This is especially true as far as the government is concerned which must function as the organizer of production and distribution if a self-sustaining

of capitalist moral and social economic order. We are currently involved in supporting the construction of an anti-capitalist economy in Afghanistan. We are arguing for a total nationalization of the *Tamveeli* system in Afghanistan. We argue that the introduction of Islamic banking in Afghanistan could be a step towards subordinating the national economy to global *Riba* and *Gharar* based money and capital markets.

This is because as pointed out in the 2009 *Fatwa* of the *Deobandi Ulema* Islamic banks like conventional banking also create money as a commodity. Mr. Munir Ahmad does not realize that Islamic banks do not extensively use modarba contracts and do not deal with small firms, small businessmen, youth entrepreneurs because it is not profitable for them to do and they insist on using KIBOR as a benchmark because they are in continuation transactional contact with conventional banks in the same business of making profits through buying and selling money and credit. To abolish the use of money as a commodity finance and financial markets must be abolished. A first step in this direction is the nationalization of all financial institutions, conventional banks, Islamic banks, splendid financers etc. The closure of all money and credit markets and the asseveration of the function currency and credit planning by the Islamic government.

Moreover natural monopolies – information, energy, mining, water – are of crucial importance and pricing in these sectors is necessarily administered. The government is the only agency capable of effectively challenging the price formation strategies of global corporation in these sectors.

Furthermore as Afghanistan has been subjected to imperial dominance during 1979-2021. Imperialism has had considerable opportunities for corrupting the Afghan masses and for

monetary policymaking or of the regulation of markets or the abolishing of securitization or the control of capital transaction or the "reform" of taxation policy. The reforms he suggests are unlikely to have any impact on the macro economy. The reforms he advocates are as follow:

- Widening the client base of Islamic banking system
- Development of a perfect base benchmark to price Islamic bank products.
- Increasing research effort on modarbah and venture capital
- Introducing *Modarba* for new products realm such a small business and diminishing finance for low cost housing projects.
- Collaboration between *Madrasah* and business schools
- Strengthening *Bait-al-Maal*
- Extending *Modarba* contracts by the corporate sectors
- Use of *Modarba* sales contracts by business
- SBP should facilitate coordination between Islamic banks, *Madrasahs*, business schools and businesses for the promotion of Islamic banking products and enhance training facilities
- General public should be encouraged to switch from *Harami* to Islamic banks

This is a recipe for carrying/intensifying business as usual. Mr. Munir Ahmad in his extensive bibliography (124 items and exclusively in English) does not include the landmark 2009 *Fatwa* of the *Deobandi Ulema* led to Hazrat Moulana Saleemullah Khan equating Islamic banking to conventional banking. Throughout the text no notice is taken of the *Fatwa* or of the extensive literature produced by the Ulema condemning Islamic banking.

The Islamic Revolutionary Response

We are Islamic revolutionaries. We seek the destruction

Abolishing interest within capitalist order is impossible since accumulation of time and information is essential to accumulation and crises have continued to occur throughout capitalism's history (from 12th to 21st century) because commodification of time is necessarily an illogical, arbitrary process guided as Keynes said by "animal spirits". Rationality (a capitalist invention and obverse of *Aqaliyat*) necessarily fails to identify a unique path/strategy for the optimal accumulation of capital.

Thus Mr. Munir Ahmad's picturing of the harm done to capitalist order by "splendid financing" etc. are entirely empirical and not theoretical and capitalism has recovered from the 2007-2009 crisis without a significant "reform" of its financial regulation regime. Currently it is lurching towards its next crisis but capitalism will endure – whatever "reforms" are instituted – as long as capitalist morality – a morality which seeks to create heaven on earth (welfare, prosperity) and refuses to seek admission to the real heaven which exists in the world to come and is not of man's making.

In any case the reforms suggested by Mr. Munir Ahmad are most unlikely to be taken up by global policymaking due to the decline in population growth rate and the impending environmental crises both of which enhance the attractiveness of financialization as limits to growth need to he imposed on the expansion of the production and service sectors especially in the major capitalist economies.

Capitalist Reforms in Pakistan

In chapter 13 Mr. Munir Ahmad outlines a series of specific reform for "implementation of Madina Economics". He does not advocate the abolition of interest or the discontinuation of *harami* banking or the reconstruction of

virtues. Virtue as conceived by Smith is similar to Kant's conception of universalizability. Smith/Kant's virtuous man does not reject self-interestedness. He wills the universalization of the commands of his *Nafs-e-Ammra* – i.e. he desires for himself that which he can desire for al mankind. In this conception no act is intrinsically good or evil. Justice is merely – what Rowls was to later call – the following of a fair procedure. This is capitalist morality – the obverse of morality as conceived of in Christianity and Islam.

The ultimate good in capitalist moral order is capital accumulation – the endless pursuit not of wealth but of surplus for surpluss/excess/riba enables the universalization of desires. Capital accumulation is an end in itself for it enables man to will anything in and of the world and in capitalist moral order there is no conception of*Akhirah* – life after death. It is this denial of *Akhira* and the refrencing of value to materials (welfare, happiness, abundance) which makes capitalist moral order evil. Mr. Munir Ahmad does not recognize that capitalist morality is the antithesis of the morality of revealed religions, Christianity, Judaism and Islam. Capitalist spirituality as Weber has shown is in and of this world.

Moreover capitalist praxis is necessarily conflictual and contradictory. The capitalist spirit mandates accumulation – the circulation of resources of wealth and labor through circuits of Gharar and Riba for continuous and endless expansion. This is finance and it is peculiar to capitalist financial markets. The money market and the capital markets have not existed in any other moral order. Abolishing capital and money markets (and Mr. Munir Ahmad does not advocate this) is abolishing not reforming capitalism for surplus accumulation necessarily takes its ultimate form in limitless unperishable finance (and not in wealth).

Javed Akbar Ansari *Book Review*

'Medieval Economy'[1]
By Muhammad Munir Ahmad

Mr. Munir Ahmad is a retired senior State Bank official and President of the Institute of Banking and Business Learning (IBBL) Lahore. The book seeks to reform capitalist financial order. He argues that all economic systems including the Islamic system are capitalist in essence. The reforms he proposes are structural and do not recognize the embeddedness of the capitalist economy within the capitalist episteme.

The suggested reforms are divided into two groups: those related to the global financial system and those related to Pakistan. The former are presented in general terms while later are functional and specific – partially influenced by Imran Khan's "*Riyasat-e-Madina*" project.

The global systemic reforms he advocates are (a) elimination of interest based transactions and its substitution by asset based (through a modest version of the hundred percent reserve system) (b) abolishing of "splendid financing" – i.e. speculative and risk trading arrangements and (c) eradication of monopolistic pricing practices in "free" markets. How these reforms can be implemented on the basis of capitalist moral order is not discussed by Mr. Munir Ahmad.

A fundamental weakness of Mr. Munir Ahmad's analysis is his misinterpretation of Adam Smith's Theory of Moral Sentiments. Adam Smith, a leading figure of Scottish Enlightenment was a confirmed atheist and the Theory of Moral Sentiments presented a categorical refutation of the conceptions of charity and poverty both cardinal Christian

[1]Aiwan-e-Ilm-o-Fan, Lahore, 2020,p. 279,Price Rs 2000

system, which is presently very inefficient and expensive, to make it really efficient and public friendly.

i. Various measures being introduced by the SCP to reduce the pendency of cases in the criminal and civil courts are producing good results.

ii. However, more amendments in the relevant laws and procedures are required to be made to achieve the desired results.

10. Improving the system of elections and *mushawarat* (consultation) at the federal, provincial and local levels, to ensure that persons of character, integrity and competence

are elected to the parliament and other institutions vide articles 62 and 63 of the Constitution of Pakistan.

The role of Pakistan Election Commission must be made more effective to achieve the above mentioned goals.

11. Establishing an effective and efficient system of accountability for all institutions at all levels, including Civil and Military bureaucracy, the Judiciary, and the Parliamentarians.

12. In order to make the proceedings of the Parliament and the superior courts including SCP and HCS throughout Pakistan amenable to the general public and the media, dedicated channels must be set up which should give live coverage to such proceedings through out their sessions.

This would be an effective measure to oversee and improve the working of both the Parliament and the Superior Courts.

May Allah (SWT) Guide and Protect us all.

13. The Above Suggestions are Submitted for the Serious Consideration and Faithful Implementation by the Honourable Prime Minister of Pakistan, His Cabinet and All Concerned Ministries on top Priority.

14. Indeed it would be our great pleasure and honour to assist the government in implementing the above noted recommendations in letter and spirit.

Saleem Tariq Lone, IGP, Islamabad (R) 0300-5193678

prepared and implemented to inculcate the Islamic values in the new generation by Practice and Example.

6. The newly enacted law at the federal level (Act of 2017) and the Punjab province (Act of 2021) Compulsory Teaching of the Holy Quran in schools and colleges with proper translation must be implemented in letter and spirit, by taking all requisite measures.

i. The translation of the Quran-e-Hakeem arranged by the Federal Ministry of Education with the help of Ulama from all Schools of thought is available, *Alhamdulillah.*

ii. This federal law needs to be extended to all private schools and colleges in Islamabad, to whom the CDA has given land at very low rates to encourage quality education, but these schools have almost abolished Islamic values and education and subjects from their curriculum.

iii. Besides, the law introduced in the Punjab must also be made applicable to all private schools and colleges in the Punjab.

iv. Furthermore, the other three provinces including FATA, and Azad Jammu & Kashmir must also legislate in this regard.

7. Obscenity and Vulgarity in the electronic and print media, including educational campuses and offices, and introduction of effective measures to curb them, taking all stakeholders on board.

8. Effectively terminating Riba in all its facets and institutions in the light of the recommendations of Council of Islamic Ideology, Pakistan.

A detailed report on the implementation of a Riba free banking system and other economic institutions at the macro and micro levels is available on record.

The need is to have these measures and recommendations implemented by the Federal Government.

9. Effectively improving the civil and criminal justice

establishment of an Islamic Order based on the Quranic Injunctions and Sunnah, we as a nation and a polity are very far from those Objectives and our destination.

ii. An amendment made by an Ordinance in article 227(D), giving sanctity to the sectarian bias in the constitution of Pakistan, must be repealed to re-emphasize unity among the Muslims of Pakistan.

3. Most importantly a universal system of *Salaat* and *Zakaat* will be established in the country. These two are the fundamental pillars of an Islamic order which must be established by the State.

i. All markets will be closed for Salaat timings, and Salaat system will be established in schools, colleges, universities and offices.

ii. *Azaan* system for the five prayers will be established on all TV channels and radio stations as well.

4. The whole system of *Zakaat* in Pakistan must be reviewed in light of the recommendations prepared by the Council of Islamic Ideology of Pakistan and implemented in letter and spirit.

The citizens of Pakistan must be educated and motivated to pay *Zakaat.*

This would become feasible only if the government of Pakistan establishes a transparent and reliable system of *Zakaat* collection and distribution to the deserving/needy persons.

5. Revision and introduction of a uniform educational curriculum for the students of schools, colleges and madaris to imbibe/introduce in the new generation true Islamic values free from the Sectarian bias, history and culture, besides proper exposure to the new advancements in contemporary knowledge of physical and social sciences.

i. A well thought out strategy and action plan must be

Salim Tariq Lone

Important Recommendations for Islamization of Pakistan

Making Pakistan in the image of the *Riasat-e-Madina* (ریاستِ مدینہ) - the way forward, In Shaa Allah.

In order to transform Pakistan into the image of *Riasat-e-Madina* ; the first and foremost condition is bound to be the political will and commitment of all the political parties, and the state institutions.

Indeed, it would be an uphill and gigantic project, requiring a comprehensive Action Plan with all requisite resources including ideological, human, management, financial, and technological.

The following brief but fundamental suggestions, covering all aspects and facets of our national life, are submitted for consideration and implementation by the Prime Minister and his team:

1. The Council of Islamic Ideology, Pakistan, must be immediately tasked to prepare a comprehensive action plan, with immediate, short term, medium term and long term measures, to implement the Islamic Code of Life in letter and spirit in the light of its reports already prepared in this regard since its inception.

2. The federal/provincial governments and local bodies with active support and participation of the public should focus on the following issues of national importance and evolve an effective strategy to achieve prompt and satisfactory results for comprehensive implementation of Islamic code of life in letter and spirit as envisaged in the Constitution of Pakistan.

i. Despite very specific and pertinent constitutional provisions namely articles 2/A, 25/A, 31, 37(a,b) calling for